جلد 21 شمارہ 3 ماہ مارچ 2019ء رجب المرجب 1440ھ
واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا
صداقت
اللہ
محبت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل
ماہنامہ
فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ
فلاحِ آدمیّت
گوجرانوالہ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار
فلاحِ آدمیّت
بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ
محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت
نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042
مجلس ادارت
مدیر
احمد رضا خان
0321-6400942
معاون مدیر
خالد محمود بخاری
0300-7374750
نائب مدیر
سید رحمت اللہ شاہ
0333-4552212
خالد مسعود، وحید احمد
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی
ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض
شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com
پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا
قیمت شمارہ 30/- روپے
سالانہ فنڈ 300/- روپے

اس شمارے میں

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ
اصلاحی وتربیتی روح پرور عظیم اجتماع

مورخہ 13,12 اپریل 2019ء

بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ کو منعقد ہوگا

اللہ تبارک وتعالیٰ کے تقرب، تزکیۂ نفوس، تصفیۂ قلوب، اس کی رضا کی خاطر اور ولولۂ تازہ کے حصول کیلئے اجتماع کی فکر انگیز مجالس میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرما کر انوار و برکات سے مستفیض ہوں۔
شرکت کی پُرخلوص دعوتِ عام دی جاتی ہے۔

مرکز تعمیر ملت

وحید کالونی نزد کوٹ شاہاں (پیرو شہید بس سٹاپ)
جی ٹی روڈ **گوجرانوالا**
رابطہ نمبر **0303-0466321**

راہ سلوک کی رکاوٹیں ''طلب کی خامی اور عقیدت میں کمی''

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

برادران حلقہ! یہ ہمارا آٹھواں سالانہ اجتماع اور پانچواں خطبہ ہے۔ پہلے خطبہ سے چوتھے خطبہ تک میں نے یہ التزام کیا تھا کہ وہ تصوف وسلوک کی ابتداء سے انتہا تک مسلسل ہوں تا کہ طالبان تصوف وسلوک سب کو ملا کر پڑھنے سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ پانچواں خطبہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس خطبہ میں میں نے راہ سلوک کی رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ ان پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ جو لوگ ہتھیلی پر سرسوں جمانا نہیں چاہتے اور واقعی راہ سلوک کو مکمل کرنا چاہتے ہیں اور جو رکاوٹیں اس راہ میں پیش آتی ہیں ان کو دور کرنے کے لیے جدوجہد کرنے اور کچھ تکلیفیں اٹھانے کے لیے تیار ہیں وہ یقیناً اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں گے ان شاء اللہ العزیز۔

میری رائے میں یہ خطبہ سب سے زیادہ اہم ہے کیوں کہ ذکر اور عبادت تو ہر شخص شروع کر سکتا ہے اور کر لیتا ہے اور شیخ کامل کی توجہ سے اس کو ذکر وغیرہ میں لطف بھی آنے لگتا ہے۔ گرمیٔ سرور اور نشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ آ جاتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور رکاوٹ زیادہ سخت ہو تو گھبرا کر ذکر وغیرہ چھوڑ دیتا ہے یا کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ اس کا دماغی سکون ختم ہو جاتا ہے اور ذکر میں وہ لذت نہیں آتی جو پہلے تھی۔ اس موقعہ پر ہزاروں سالکان راہ طریقت میں سے دو چار ہی مرد میدان ہوتے ہیں جو ثابت قدم رہتے ہیں ورنہ باقی سب میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر کئی ایسے آدمی بھی ہوتے ہیں جو پیر سے مدد چاہتے ہیں کہ یا تو وہ رکاوٹوں کو اپنی کرامت سے دور کر دے یا خود ان میں اپنی

ہمت باطنی اور توجہ سے اتنی طاقت پیدا کر دے کہ وہ رکاوٹ پر غالب آ جائیں۔ لیکن کوئی پیر کامل ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں کرتا بلکہ ان کو رکاوٹ پر غالب آنے کا صرف راستہ بتا دیتا ہے۔ وہ مدد کیوں نہیں کرتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح پیر کی مدد سے جو لوگ سلوک طے کرتے ہیں ان میں ان کی اپنی ذاتی طاقت کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ وہ اپنے پاؤں پر خود کبھی کھڑے نہیں ہوتے۔ ہمیشہ پیر کے کندھے کا سہارا لے کر چلنے کے عادی ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس اپنا کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہوتا ہے سب پیر ہی کا ہوتا ہے۔ اس لیے جب کبھی پیر کی طرف سے مدد نہیں ملتی یا پیر فوت ہو جاتا ہے تو ان کی قوت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کورے کے کورے رہ جاتے ہیں۔

موٹی عقل کا آدمی بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کا کوئی سا بڑا کام بھی بغیر سخت محنت اور مجاہدے کے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیوی امور میں تو منزل مقصود کا علم ہوتا ہے اور اس تک پہنچنے کے ذرائع بھی ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص ان ذرائع تک دسترس حاصل نہ کر سکے اور جو لوگ محنت اور عقل سے ان ذرائع کو حاصل کر لیتے ہیں وہ سو فیصد کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن سلوک میں یہ بات نہیں ہے۔ سلوک کی آخری منزل اور مقصد خدا کا قرب' دیدار اور معرفت حاصل کرنا ہے۔ لیکن خدا نہ تو دکھائی دیتا ہے' نہ سمجھ میں آ سکتا ہے' نہ اس تک پہنچنے کے ذرائع ہی سالک کے علم میں ہوتے ہیں۔ اس لیے منزل مقصود تک پہنچنا اس وقت تک محال ہوتا ہے جب تک کوئی سچا رہنما اور رہبر نہ ہو۔

رہبر صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو خود منزل مقصود تک پہنچ چکا ہو اور راستہ کے اتار چڑھاؤ اور پیچ و خم سے خوب واقف ہو۔ لیکن ایسے رہنما اور رہبر سے بھی پورا فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو سچے طالب ہوں۔ جن کی طلب اس قدر پختہ اور شدید ہو کہ منزل و مدعا تک پہنچنے کے لیے ہر طرح کی تکالیف خندہ پیشانی سے اٹھا سکیں اور کتنی ہی مصیبتیں پڑیں ان کے عزم و استقلال میں کمی نہ آئے۔

پہلی رکاوٹ جو راہ سلوک میں پیش آتی ہے۔طلب کی خامی اور کمی ہے۔یوں سمجھنے کو تو ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ میری طلب صادق اور میرا عزم راسخ ہے لیکن یہ اس کی بھول ہوتی ہے۔ طلب صادق کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ راہ کی کسی دشواری کو خاطر میں نہ لائے اور ہمیشہ آگے ہی بڑھتا رہے۔میدان جنگ میں غازیوں اور مجاہدوں کا خیال کرو۔ان کا مقصد دشمن کے مورچوں پر قبضہ کرنا ہوتا ہے۔اس کے لیے جب وہ حملہ کرتے ہیں تو اگرچہ میدان میں گولوں اور گولیوں کا مینہ برستا ہوتا ہے اور ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں ہوتی جہاں گولیاں نہ برس رہی ہوں۔لیکن جب وہ ارادہ کر لیتے ہیں تو اسی مینہ میں آگے بڑھتے ہیں۔گرتے ہیں، زخمی ہوتے ہیں، شہید ہوتے ہیں لیکن ان کے قدم پیچھے نہیں ہٹتے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دشمن کے مورچوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس کی توپوں کو خاموش کر دیتے ہیں۔یہ گولے اور گولیاں تو نظر آتی ہیں لیکن راہ سلوک کے مجاہد کو جن گولے اور گولیوں کی بارش میں گزرنا پڑتا ہے وہ نظر نہیں آتیں۔صرف محسوس ہوتی ہیں یا سمجھ میں آ سکتی ہیں۔اس لیے اگر ارادہ اٹل اور طلب ناقابل شکست نہ ہو تو یہ لوگ چار چھ قدم ہی چل کر اپنے مورچوں میں واپس آ جاتے ہیں اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں۔اس لیے جب تک طلب کامل اور عزم راسخ نہ ہو کسی کو بھی اس راہ پر خطر میں قدم نہیں رکھنا چاہیے ورنہ وہی مثل ہو گی کہ

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلب گار مرد تھا

دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ سالک کو پیر کامل سے مرید ہونے کے باوجود اس سے والہانہ عقیدت نہ ہو یا وہ اس کی اطاعت یا ادب کرنے میں کمی کرے۔ان تین باتوں کے متعلق تعمیر ملت اور طریقت تو حیدیہ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے اور کسی خطبہ میں بھی غالباً بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے یہاں بہ خوف طوالت زیادہ بیان نہیں کر سکتا۔صرف اتنا کہتا ہوں یہ تین باتیں قصر سلوک

کی بنیاد ہیں۔اگر ان میں ذرا بھی قصور رہا تو یہ قصر فلک بوس کسی وقت بھی زمین پر گر کر مٹی میں بدل جائے گا۔سچی عقیدت یہ ہے کہ پیر کے کمال میں ذرا سا شبہ بھی کبھی دل میں نہ آنے پائے اور اس کے متعلق کسی برائی کا گمان بھی نہ ہو۔عقیدت میں پیر سے محبت کا امتزاج بھی بے انتہا ضروری ہے۔خشک عقیدت سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔اطاعت یہ ہے کہ پیر کا ہر حکم خواہ وہ بہ امتثال امر ہو یا بہ سبیل تذکرہ آنکھ بند کر کے خوشی سے پورا کیا جائے خواہ اس کے منافع اور مصالح سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ادب یہ ہے کہ پیر خواہ موجود ہو یا غائب اس کا تھوڑا سا خوف اور زیادہ سے زیادہ محبت وعزت دل میں موجود رہے۔مرید اس کی کوئی ذرا سی برائی بھی کانوں سے نہ سن سکے اور ایسی جگہ سے فوراً دور چلا جائے۔پیر کی موجودگی میں بات زیادہ نہ کرے اور بات کرے تو آواز بلند نہ ہو۔ہنسنا' قہقہے لگانا' پیر کی مجلس میں پاؤں پسار کر بیٹھنا یا لیٹ جانا سخت بے ادبی ہے۔پیر سے زیادہ سوالات کرنا بھی ادب کے خلاف ہے۔پیر اگر بے تکلفی سے بھی پیش آئے تو خود ہرگز بے تکلف نہیں ہونا چاہیے۔الغرض کوئی بات بھی تمیز وتہذیب کے خلاف نہ ہونی چاہیے۔

(اقتباس از : چراغِ راہ)

دین ایک ہی ہے (اللہ کا دین)

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس مقصد کے لیے پیدا فرمایا اس کی یاد دہانی کرانے اور منزلِ مقصود تک پہنچانے والے صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کرنے کا انتظام بھی فرمایا۔ اسی غرض سے ہر قوم کی طرف اللہ کے رسول آئے اور انسانوں کو اللہ کے اقتدار اور الوہیت والے نظام میں داخل ہونے اور اسی کی بندگی اور اپنی اطاعت کی دعوت دیتے رہے تاکہ وہ اپنی تخلیق اور حیاتِ ارضی کی غرض و غایت سے آگاہ ہو کر متاعِ دنیا کی محبت میں گرفتار ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کی زندگی کو مقدم جانیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے اور خیر و شر میں تمیز کرنے کی صلاحیت عطا فرما کر انتخابِ عمل کا اختیار خود عطا کر رکھا ہے اس لیے اس پر اپنی اطاعت جبراً مسلط نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ پوری انسانیت اس آزادی کا استعمال کرتے ہوئے دو گروہوں میں بٹی چلی آرہی ہے جو لوگ اللہ کے وجود یا اس کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنی من مانی زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں انہوں نے گویا اپنے نفس اور ہوا و ہوس کو اپنا معبود اور الٰہ بنا لیا اور اپنی خواہشات کی غلامی کا نام آزادی رکھ لیا۔ اس اندازِ فکر سے ایک پورا نظامِ زندگی جنم لیتا ہے اور اسے کفار کا دین کہنا درست ہوگا جیسا کہ سورہ کافرون میں کفار سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا گیا:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ یعنی تمہارا دین تمہارے لیے اور میرے لیے میرا دین۔

جو دین اللہ نے دیا ہے اسے قرآن کریم دین اللہ کا نام دیتا ہے۔ اس طرزِ حیات اور نظامِ زندگی کا رہنما اصول اللہ کا اقتدار اور الوہیت ہے۔ اس نظام کو قبول کر لینے والی ہر چیز سیدھے راستے پر

گامزن رہتے ہوئے اپنی تخلیق کا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔زمین وآسمان، سورج، چاند، ستارے اور دیگر تمام نباتات و جمادات چونکہ آزادیٔ عمل سے محروم ہیں اس لیے وہ اللہ کے احکام سے انحراف کرہی نہیں سکتے۔وہ اللہ کی تقدیر کی جبری پابندی کرتے ہوئے اپنی تخلیق کی غرض وغایت صحیح طور پر پوری کررہے ہیں۔انسان چونکہ صاحب ارادہ ہے اس لیے اسے جبری تقدیر کا پابند نہیں بنایا گیا بلکہ اس کے لیے دعوت الی اللہ کا انتظام ہے تاکہ یہ اپنے ارادے سے اس نظام میں داخل ہو کر اپنی مرضی کو اللہ کی رضا کا پابند بنا کر فلاح پائے۔انسان کی کامیابی اور درجات کا دارومدار اللہ کے احکام کی رضا کارانہ اطاعت پر ہے۔بقول علامہ اقبالؒ:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

انسان اگر اپنے چاروں طرف بلکہ اپنے اندر نظر دوڑائے تو اسے دکھائی دے گا کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔چونکہ اسلام کے معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دینے کے ہیں اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ کائنات کی ہر چیز مسلم ہے گویا اسلام پوری فطرت کا دین ہے جو انسان اللہ کے آئین کے سامنے سر جھکا دے وہ بھی فطرت سے ہم آہنگ ہوجاتا ہے اور جو اللہ کے دین سے انحراف کرے وہ دنیا و آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔تمام انبیاؑ نے یہی تعلیم دی کہ اللہ کے دین میں داخل ہو کر مسلم بن جاؤ، کیوں کہ جو اپنے خالق اور مالک کی اطاعت والے دین یعنی اسلام کے علاوہ کسی باطل نظام کی پیروی کرے گا تو اس کے اعمال ہرگز قبول نہ کیے جائیں گے۔قرآن مجید فرقان حمید میں فرمایا گیا ہے:

''کیا یہ کافر اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں حالانکہ سب اہل آسمان وزمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کی اطاعت میں جھک گئے۔اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیمؑ اور

اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اُن کی اولاد پر اُترے اور جو کتابیں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کو ان کے ربّ کی طرف سے ملیں، سب پر ایمان لائے۔ہم پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے تابع فرمان ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔"

(آل عمران:۸۴۔۸۵)

اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق اور اسی کی مطیع ہے حقیقی مطاع صرف اللہ کی ذات ہے جو انسان اللہ کو چھوڑ کر کسی بھی دوسری ہستی کی عبادت کا خیال دل میں لائے تو اسے غور کرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ وہ ہستی تو بذات خود اللہ کی مخلوق ہے لہٰذا محتاج و مجبور ہے جو ہستی مخلوق ہے وہ معبود ہو ہی نہیں سکتی۔انسان کے لیے یہ شرف و عزت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کی تعلیم دے کر غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے کی ذلت سے بچالیا ہے قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کا ایک قول جمیل درج کیا گیا ہے:

''میں اپنے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کے طریقہ پر چلتا ہوں ،ہمیں شایان نہیں ہے کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ احسان ناشناسی کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کی تعلیم کے بنیادی اصول ایک ہی تھے۔اللہ کے دین کی بنیاد پر عقل وخرد کے تراشے ہوئے مفروضوں پر نہیں بلکہ یہ اٹل حقائق پر استوار ہے، جسے اپنا کر ہر دور میں بنی نوع انسان نے کامیابی حاصل کی اور آئندہ بھی اس کی فلاح ونجات اس کے ساتھ مشروط ہے۔ یہ خالق کائنات کا عطا کردہ دستور حیات ہے جس پر عمل کرنے سے انسان اپنی زندگی کا مقصود حاصل کر سکتا ہے۔اللہ کا دین محض رسمی عبادات یا اوراد و وظائف کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو پوری زندگی پر حاوی ہے اور انسانی سرگرمیوں کا ایسا پہلو نہیں ہے

جس پر مکمل ہدایات مہیا نہ کرتا ہو اسی لیے میری رائے میں ''دین و دنیا'' کی مروجہ اصطلاح ہی بنیادی طور پر غلط ہے اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ دین اور دنیا دو مختلف چیزیں ہیں اور ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کی پوری زندگی بسر کرنے کے لیے جو آئین اللہ تعالیٰ نے عطا کیا اسے اللہ کا دین کہتے ہیں قرآن کی تعلیم کے مطابق انسانی سرگرمیوں کو دنیا اور دین کے خانوں میں تقسیم کرنا ناممکن ہے اس لیے دین و دنیا کی اصطلاح کہیں بھی استعمال نہیں کی گئی ہے۔

ذرا غور فرمایئے کہ بچوں کی پیدائش پر کان میں آذان، عقیقہ اور ختنہ کی ہدایت، ان کی رضاعت کے مسائل، بچوں کی تعلیم و تربیت، والدین، بیوی بچوں، رشتہ داروں، ملازموں اور ہمسایوں سے حسن سلوک، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، نہانے دھونے اور میل ملاقات کے آداب، انفرادی اور بین الاقوامی تنازعے نمٹانے کے طریقے، شادی بیاہ، حیض و نفاس اور خلع و طلاق کے مسائل، کسبِ حلال اور انفاقِ زر کے لیے ہدایات، معاشرتی جرائم پر سزاؤں کا تعین بین الاقوامی دوستی، دشمنی اور صلح و جنگ کے قوانین، موت کی رسومات اور کفن و دفن کے احکامات اور میت کی جائیداد کی تقسیم کے بارے میں تفصیلی ہدایات یہ سب دین ہے تو پھر دنیا کیا ہے؟ دنیا اس زندگی یعنی حیات ارضی کا نام ہے اور اسے اللہ کے دین کے تحت بسر کرنا کامیابی کی ضمانت ہے اور عقل ناقص کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق گزارنا دنیا و آخرت میں باعث خسران ہے۔

اس لیے دین اور دنیا ایک دوسرے سے مختلف یا متضاد ہرگز نہیں ہیں۔ البتہ دنیا اور آخرت یعنی موجودہ زندگی اور قیامت کے بعد والی زندگی یہ دونوں ایک دوسرے کے متقابل ہیں۔

انسان کی کامیابی یا نامرادی کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے یا اسے بھول کر دنیا کی محبت میں کھو جاتا ہے۔ اللہ کا دین بجا طور پر آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ والی زندگی کو ترجیح دینے کا مطالبہ کرتا ہے لیکن دنیا کی زندگی کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کرتا بلکہ دنیا اور آخرت

یعنی دونوں جہانوں کی بھلائیاں حاصل کرنے کی تلقین کرتا اور اسے یقینی بنانے کے لیے ضروری احکامات نافذ کرتا ہے۔اللہ کا دین ایک ہی رہا ہے اور انہی اٹل حقائق کی تلقین کرتا رہا ہے اللہ کے سارے رسولوں کی دعوت بھی مشترکہ تھی۔وہ لوگوں کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے اور اللہ کے دین کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتے رہے اور آخرت کی زندگی میں صالحین کے لیے جنت اور انعام واکرام کی بشارت سناتے اور مجرموں کو عذاب سے ڈراتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (النساء۱۶۵)

''اللہ نے بھیجا رسولوں کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کو اللہ پر حجت کا موقع نہ رہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے''۔

یعنی کوئی انسان قیامت کے دن یہ بہانہ نہ تراش سکے گا کہ مجھے اللہ تعالی کے وجود اور آخرت کی زندگی کے بارے میں کسی نے کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔اللہ تعالی کے تمام رسول ایک مقدس گروہ کی مانند ہیں جنہوں نے انسانوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا۔انہوں نے اپنی قوموں کو اللہ کے احکام کا پابند یعنی مسلم بننے کی دعوت دی۔''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام ''سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے ہاں دین کی حقیقت یہی ہے کہ اس کے دیئے ہوئے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔اللہ کے ہر رسول نے جب اپنی امت کو قبولیت دین کی دعوت دی تو ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ''اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْن ''یعنی سب سے پہلا اطاعت گزار اور مسلم اول میں خود ہوں۔اس سے معلوم ہوا ہے کہ دین کو اپنا آئین حیات تسلیم کر لینے والے نیک لوگ جس دور میں بھی تھے اللہ کے آئین کے مطابق ازل تا ابد تمام مسلمانوں میں اخوت کا رشتہ ہے ہر نبی کی امت گزشتہ رسولوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے کی پابند ہوتی ہے اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب میں آخری رسول ﷺ کی امت کو بھی یہی حکم فرمایا ہے:

''اے اہل ایمان! آپ کہہ دیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اُتری اور جو کچھ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو عطا ہوا اور جو دوسرے انبیاء کو اُن کے ربّ کی طرف سے ملا، سب پر ایمان لائے ہم اُن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کیلئے تابع فرمان ہیں یعنی مسلم ہیں۔''(البقرہ: ۱۳۶)

صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے آگے سر تسلیم خم کرنا اور تمام انبیاء اور ان کی تعلیم میں نہ فرق جاننے کا اعلان ایک ایسا منشور ہے جو گزشتہ انبیاء کی امتوں اور دوسرے تمام انسانوں کو اشتراک فکر و عمل کی دعوت دیتا ہے چونکہ تمام انبیاء کی تعلیم کا لب لباب ایک ہے اور اس کا مقصود پوری انسانیت کی دنیوی اور اُخروی فلاح ہے اس لئے اللہ کا دین تمام تفرقوں کو مٹا کر وحدتِ آدمیت کی دعوت دیتا ہے۔ ہر سلیم الطبع انسان اللہ کی حاکمیت کے اصول کو تسلیم کر کے اتحاد عالم کی اس دعوت پر لبیک کہے گا۔ اللہ کے دین میں اللہ کی حاکمیت اور اس کی اطاعت و محبت کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے اور یہ اصول اتحادِ آدمیت کے لیے فطری بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جب دین میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ مرکزیت فرقوں اور مسلکوں کے بانیوں کو دے دی جاتی اور شرک کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے یہی بات وحدت امت اور وحدت انسانیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جسکے اختیار کرنے کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس کی طرف آپ مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف سے راستہ دکھاتا ہے۔'' (الشوریٰ:۱۳)

اللہ کے دین کے اصولوں میں کبھی بھی کوئی بھی اختلاف نہ تھا کیوں کہ سارے انسانوں کی

فطرت ایک جیسی ہے سب کی زندگی کا مقصد بھی ایک ہے تو ان کے لیے قانون بھی ایک جیسا ہی ہونا چاہیے جب کہ اس قانون اور آئین کو بنانے والی ہستی بھی ایک ہی ہو۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

مختلف اُمتوں کے لیے دین عالم گیر اصولوں کی تعمیل کے طریقے میں تھوڑا بہت فرق ضرور رہا ہے شریعتوں کا یہ فرق مختلف ادوار کے انسانوں کے ذہنی اور روحانی مدارج، تہذیب وتمدن، معاشرتی زندگی اور ماحول کے فرق کی وجہ سے ناگزیر تھا لیکن دین کے اصول ہر دور میں قائم رکھے گئے ۔سب سے پہلا اصول جو کہ اللہ کے دین کی بنیاد ہے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار ہے چنانچہ از آدمؑ تا پیغمبر آخر وا عظمﷺ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ دین کی دعوت کا رہنما اصول رہا ہے اس کے بعد دوسرا اصول یوم آخرت پر ایمان ہے۔ چنانچہ انبیاءؑ کی تعلیم کو ماننے والی ہر اُمت عقیدہ آخرت پر لازماً یقین رکھتی ہے ۔اس طرح اللہ کے سامنے اظہار عبودیت کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور آخرت پر ایمان کو تازہ رکھنے کے لیے ہر اُمت پر نماز یا روزانہ عبادت کسی نہ کسی صورت میں فرض قرار دی گئی ۔نفس کی خواہشات کو احکام الٰہی کا پابند رکھنے کے لیے ہر دور میں روزے کا حکم بھی دیا گیا اور اللہ کی مخلوق کی اصلاح وخدمت کے لیے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کو ہر دور میں اللہ کے قرب کا وسیلہ بنایا گیا ہے ۔یہ تمام اعمال اللہ کے دین کے تحت گزارنے والی زندگی کے ستون ہیں اور انہیں ارکان اسلام کہا جاتا ہے ۔

نقوشِ مہرووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

باباجانؒ سے پوچھا گیا کہ باباجان یہ **نفس مطمئنہ** کب پیدا ہوتا ہے؟ کیا یہ مرنے کے بعد ہوتا ہے؟

باباجانؒ فرمانے لگے کہ '**نفس لواما**' اس وقت بنتا ہے جب اسے احساس ہو جاتا ہے کہ یہ میرا راستہ نہیں تھا۔ میرا مقصد پیدا کرنے کا وہ خدا کی محبت اور معرفت ہے۔ مجھے اعلیٰ ترین مخلوق بنایا گیا اور فرشتوں نے سجدہ کیا وہ اسی لئے کہ مجھے اللہ کی پہچان سب سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ اللہ نے ٹیسٹ بھی لیا ان کے لئے کہ بتاؤ ان کے نام۔ فرشتوں سے کہا کہ ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے یہی کہا تھا ناں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ کی حمد وثنا، حمد وثنا کا مطلب ہے کہ آپ کی معرفت کو اچھا جانتے ہیں۔ حمد وہی کرے گا جو جانتا ہے۔ ثنا بھی وہی کرے گا جو آپ کی صفات کو جانتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کی ثنا بہت کرتے ہیں، اس کو کیا ضرورت ہے پیدا کرنے کی۔ ہم بہت اچھا آپ کو سمجھتے ہیں تو اللہ نے کہا تھا کہ نہیں جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ پھر اللہ نے پیدا کیا اور چیزیں ان کے سامنے رکھ دیں اور ان سے کہا کہ ان کے نام بتا دو اگر تم سچے ہو کہ تم میری حمد وثنا کر سکتے ہو تو بتاؤ یہ کیا چیزیں ہیں؟ وہ سمجھتے نہیں تھے کہ یہ کیا ہے؟ اس کا فائدہ کیا ہے؟ یہ کام کی چیز ہے؟ جو یہ نہیں سمجھ سکتا، وہ بنانے والے کا

کیسے شکر یہ ادا کرے گا۔اس کے Mind کی کیا تعریف کرے گا۔وہ شخص جو اس کو سمجھتا ہے کہ یہ کیا ہے۔بچے کے آگے کمپیوٹر رکھ دیتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ تو وہ کمپیوٹر بنانے والے کے ذہن کی داد کیسے دے سکتا ہے، یا اس کا احسان جو ہے انسانیت پر وہ اس کو کیسے دیکھ سکتا ہے، جبکہ اس کو پتا نہیں ہے۔اللہ نے مخلوق جو تھی، چیزیں تھیں، سامنے رکھ دیں کہ ان کے نام بتا دو کہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ نام کا مطلب ہے کہ اس کی صفات کے مطابق ہی نام رکھے ہوتے ہیں۔Bi cycle ہے، دو پہیوں والی ہے۔Tri cycle ہے وہ تین پہیوں والی ہے۔دوربین ہے اور ٹیلی ویژن ہے۔دور سے دیکھنے والی چیز۔نام اس کے Function کے مطابق ہی رکھا ہوتا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ وہ اس کو جانتا ہی نہیں۔ان کی فطرت ہی نہیں۔کہا کہ اللہ میاں ان چیزوں کے نام ہم نہیں جانتے۔ہم، جو تو نے بتایا ہے وہی جانتے ہیں۔ادھر آدمؑ کو اللہ نے کہا؛

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاء كُلَّهَا. (سورۃ البقرہ ۲۔آیت ۳۱)

اس کو ہر چیز کے نام بتا دیے۔وہ قیامت تک آنے والی ہر چیز کے نام جانتا ہے۔مطلب یہ کہ اس کی Capacity یہ نہیں ہے۔بعض بزرگ کہتے ہیں کہ اللہ میاں نے ان کو پرچہ بتا دیا، اُن کو نہیں بتایا۔یہ پاس ہو گئے۔مطلب یہ ہے کہ ان کی پیدائش اس نہج پر کی گئی ہے کہ یہ سیکھ سکتے تھے۔خدا کے ساتھ ظلم منسوب نہیں کر سکتے۔جو اس کی Capacity ہے وہ اسے دے دی۔فرشتوں کو یہ نہیں دی، ان کو دے دی۔انسان کو ہر چیز کا علم جو ودیعت کیا دے دیا۔انہوں نے کہا کہ ہم تو نہیں جانتے؛

قَالُواْ سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَا إِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ.
(سورۃ البقرہ ۲۔آیت ۳۲)

ہمیں تو نہیں پتا۔ہمیں تو وہ پتا ہے جو آپ نے ہمیں بتایا۔پھر اللہ نے آدمؑ سے کہا؛

قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ. (سورۃ البقرہ ۲۔آیت ۳۳)

اے آدمؑ! تو ان کو بتا کہ یہ کیا کیا چیزیں ہیں تو آدمؑ نے فرشتوں کو بتایا کہ یہ یہ چیز ہے، یہ اس لئے بنائی گئی ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر بیٹھ کر آدمی تھوڑی Effort سے جو ایک جگہ گھنٹے میں پہنچتا ہے، اس پر پندرہ منٹ میں پہنچ جاتا ہے۔ ظاہر ہے ہر چیز جو بھی بننے والی تھی، ان کو بتایا کہ اللہ نے آسمان تک ایسی چیز پیدا کی۔ مطلب یہ کہ حمد و ثنا وہی کر سکتا ہے جو ان چیزوں کو جانتا ہو۔ ان چیزوں کی معرفت اسے حاصل ہو، تب ہی وہ کر سکتا ہے۔

وہ لوا ما جب بنتا ہے تو اس کو پتا چلتا ہے کہ میرا زندگی کا یہ راستہ تھا۔ مجھے اللہ نے اپنی معرفت کے لئے تیار کیا ہے۔ لِیَعبُدُون۔ اسی لئے صحابہ نے بھی یہی کہا کہ اس کا مطلب ہے لِیَعرِفُونَ۔ یعنی معرفت حاصل کرنا۔ لِیَعبُدُون اگر بندگی ہے تو یہ ساری کائنات کر رہی ہے، اس کا کہنا مان رہی ہے، کوئی چیز اس کے حکم سے باہر نہیں ہے۔ انسان بھی یہ کہ ان کو سمجھ کے خود سجدہ کرے۔ اس کو Bind نہیں کیا پہاڑوں کی طرح کہ یہ بیٹھے ہوئے ہیں، اور درختوں کی طرح کے قیام میں کھڑے ہیں، یا جانوروں کی طرح رکوع میں مستقل ڈال دیے گئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ انسان اللہ کی عظمت سمجھ کر سجدے میں جائے۔ کہ سبحان ربی العظیم۔ اس کی عظمت سمجھ کر سجدے میں خود جائے۔ بندگی کرے۔ بلکہ یہ سمجھ کر بندگی کرے۔ معرفت کے ساتھ وہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کو رکوع کرے، اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے۔ وہ جانوروں والی تقدیر والی پابندی جمادات و نباتات، وہ اطاعت انسان سے مقصود نہیں ہے۔ جو اللہ کہتا ہے کہ

یُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(سورۃ الحشر ۵۹۔ آیت ۲۴)

زمین و آسمان میں جو چیز بھی ہے وہ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ سجدہ بھی اس کو ساری کائنات کرتی ہے۔ انسان سے یہ مقصود نہیں ہے۔ وہ سمجھے، Understand کرے، اور وہ کرے اللہ کے ساتھ۔ اس کے لئے جب اس نفس کے ساتھ یہ ہو جاتا ہے کہ اسے سمجھ آجاتی ہے

کہ میں نے یہ سارا کچھ کیا کیا، پھر وہ لواما کی سٹیج پر آجاتا ہے کہ میں نے سارا کچھ غلط کیا۔ پھر وہ پچھتایا کرتا ہے، پھر وہ اس کو رجوع کرتا ہے۔ پھر واپس آجاتا ہے۔ پھر وہ اچھی راہ پر اپنی دولت کو ،اپنے پیسے کو، اس نفس پر نہیں بلکہ اللہ کی راہ پر خرچ کرنے میں لطف محسوس کرتا ہے، اور انسان سے محبت کرتا ہے جیسے بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے فرمایا کہ اگر چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے تو اس کی مخلوق کے ساتھ محبت کرو، پیار کرو۔ جو بھی اللہ کے لئے جو ہم نے دیا، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، تھوڑا ہے تو تھوڑا، زیادہ ہے تو زیادہ لیکن کرتے ضرور ہیں۔ تھوڑے میں سے تھوڑا کرتے ہیں تو وہ اس میں آجاتے ہیں۔ تو وہ لوامابن جاتا ہے۔ لواما کی سٹیج میں آجاتا ہے کہ یہ سارا کام غلط کیا۔ ہوتا بھی ہے یہ سارا غلط کام۔ اس کی محبت میں جب آتا ہے کہ میں نے کرنا کیا تھا، میں نے کیا کیا ہے۔ زندگی ایسے ہی برباد کر دی۔ خدا کے پیار میں جانا تھا پرانے شعر مولوی صاحب پڑھا کرتے تھے۔

تو گیا سی کستوری خریدن نوں
تو ڈھیر رنج اجوائن تے لا بیٹھا

تجھے بادشاہ نے پیسہ دیا تھا کہ جا کستوری اور خوشبودار چیزیں خرید آ مگر تو جا کے اجوائن اور بدبودار چیزوں پر جا بیٹھا ہے۔

کی دے جواب شاہ نوں
تو رقم نوں ایج گنوا بیٹھا

بادشاہ کو کیا جواب دو گے۔ جس کا تم نے سرمایہ لیا اور اس کو غلط جگہ پر لگا بیٹھے۔ مطلب یہ کہ اس کا احساس پیدا ہوتا ہے، اس کو رونا بھی آتا ہے۔ اللہ میاں سے دوری ہو گئی، سارا کچھ ضائع چلا جائے گا۔ ایسا ہو تو وہ لواما میں آجائے گا۔ پھر وہ آگے سیدھا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ جلدی آگیا تو اچھا ہے کہ اس کو زندگی کی صحیح صورت جو ہے وہ واضح ہو گئی کہ میں نے کیا کرنا ہے۔

اس کو اسلام کی تعلیم مل گئی کہ یہ ہے اور اس نے ایسا کرنا ہے۔ بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے بھی کہا کہ یہ کرو۔ اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ اللہ کی عبادت کرو۔ ڈرو نہیں کسی سے اور اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ جھکو نہیں، اس کے سوا کہیں سر نہ جھکاؤ، یہی اسلام چاہتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ. (سورۃ الحج ۲۲۔ آیت ۷۸)

اللہ کو مضبوطی سے پکڑلو۔ وہی تمہارا مولا ہے اور وہی تمہارا مددگار ہے، کہیں ادھر اُدھر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قائم رہو اپنی بات پر تو اللہ ان پر فرشتے نازل کرتا ہے، یہ کرتا ہے، وہ کرتا ہے۔ تو پھر جو یہ کرے وہ اطمینان میں آجاتا ہے۔ فرشتے اس پر اترتے ہیں، ان کو بتاتے ہیں کہ؛

نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُون. (سورۃ الفصلت ۴۱۔ آیت ۳۱)

ہم تمہارے ساتھ ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہاں بھی تمہارے کام سارے سیدھے ہوں گے، اُدھر بھی سیدھے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے جس بہشت کا تم سے وعدہ کیا ہے اس کی بشارت ہوگئی۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ بشارت ہو تمہارے لئے کہ تم اصلاح پر آگئے ہو، جو کچھ مانگو گے وہاں تمہیں ملے گا۔ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي۔ دنیا میں بندہ جتنا بھی ہو، جس کی خواہش کرے وہ نہیں مل سکتی لیکن وہاں جو بھی خواہش کرو گے، وہ ملے گا۔ پھر وہ اطمینان میں آجاتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ ہوجاتا ہے کہ اس کے بندوں والی، اچھے بندوں والی، پیارے بندوں والی صفات جو ہیں وہ اس میں پیدا ہوجاتی ہیں۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. (سورۃ آلِ عمران ۳۔ آیت ۳۱)

میری اتباع کرو خدا تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا،

ساری جو پچھلی خطائیں ہوں گی وہ بھی معاف کر دے گا۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ نے فقیرانہ زندگی بسر کی، شادیاں کیں، بچے تھے، لیکن کوئی سامان جمع نہیں کیا، نہ کبھی زکوۃ دی اور نہ دولت اکٹھی ہونے دی کہ سال بھر اکٹھا رہے پھر اس پر چالیس فیصد دیں۔ روز کے روز جو اللہ تعالیٰ دیتا، وہ بانٹ دیتے تھے۔ یہ زکوۃ جو ہے یہ کسی اور کے لئے ہے، ہمارے لئے نہیں ہے۔ جو آیا روز کے روز بانٹ دیا۔ تو وہ اس میں آ گئے۔ بانٹ دیا تو وہ خدا کی محبت میں، اس کے ذکر میں نفس مطمئنہ ہو گئے۔ علامہؒ نے کہا کہ:

پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

ان چیزوں سے غنی ہو جانے میں میں نے مسلمانی کا معراج پایا۔ کمال اسی میں ہے۔ بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) بھی فرماتے تھے کہ فقیری ایسے نہیں ملتی، سوت کے دھاگے کے برابر بھی دنیا سے تعلق نہ رہے۔ قطع ماسویٰ ایسے کرو کہ دنیا میں رہتے ہوئے تعلق اتنا بھی نہ رہے۔ کچے دھاگے جتنا بھی نہ رہے تو وہ خدا کے پیار میں مطمئن ہو جاتا ہے۔ اسے اس کی خوشی میں ساری لذات ملتی ہیں۔ دل اللہ کے ذکر سے خوش ہو جاتا ہے، راضی ہو جاتا ہے۔ اس کی روح کو وہ غذا ملتی ہے جو اسے چاہئے، جو اس کی غذا ہے۔ یہ موسیقی اور یہ مراثیوں والے گانے جو ہیں ان سے کچھ نہیں ملتا۔ اس کی روح کی غذا اللہ کا ذکر ہے۔ وہ اس کو کرتا ہے اور اس میں مست رہتا ہے۔ یہ دنیوی دولت اوپر نیچے جو مرضی ہوتی رہے، اس سے اس کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہی نفس ہے جو مطمئنہ ہو جاتا ہے۔

جیسے آپ کو مثال میں بتایا کہ یہ بندہ ہے، اسے کوتڑا نوالہ لے جاؤ، آپ کے ڈیوٹی کرنے میں مدد دے گا۔ سارے گھر محلے کا اسے پتا ہے۔ آپ وہ ڈیوٹی Perform کرتے ہیں لیکن وہ آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ وحشی جانور ہوتے ہیں، چیر پھاڑ کھانے والے، شیر، چیتے، ہاتھی، یہ اور وہ۔ انسان جو ہے یہ ان کی بھی اپنی عقل کے زور سے تربیت کر لیتا ہے اور وہ سٹولوں پر

چڑھ کر اور گھوڑوں پر چڑھ کر سرکس میں کرتب دکھاتے ہیں۔ لوگ یہ کام کرتے ہیں۔ انسان ان کے وحشی پن کی تربیت کر لیتا ہے۔ ان کو اطاعت میں لے آتا ہے۔

اسی طرح یہ نفس جو بنیادی طور پر امارہ بالسوء تھا۔ اس کے ساتھ رہتے ہوئے پھر اگر اس کا رنگ غالب آجائے تو وہ بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ آخر یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے، کہتا ہے کہ میں بھی کیوں نہ کروں، یہ بھی تربیت سے اللہ کا ذکر کرنے لگتا ہے۔ جیسے جانور جو ہیں وہ انسان کا کہنا مانتے ہیں، اس کے اشارے پر سارے کرتب کرتے ہیں۔ ان کی تربیت ہوتی ہے۔ ان کو کافی بھوکا رکھا جاتا ہے۔ بھوک سے ان کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ روزہ میں بھی اسی لئے انسان کو بھوکا رکھا جاتا ہے کہ یہ نفس امارہ جو ہے یہ کمزور پڑ جائے۔ یہ نفس خواہش کی صلاحیت ہے، روزہ میں خواہش کو ہی دبانا ہے ناں۔ بھوک لگی ہے، خواہش ہے۔ ٹھنڈا پانی پینا ہے، یہ خواہش ہے۔ Sex ہے، وہ خواہش ہے، اس کو نہیں کرنا۔ اس کو دبایا جاتا ہے۔ نہیں کرنا، مطلب ہے کہ Sustain کرنا۔ روزہ کسی کے Self-control کی ٹریننگ ہے۔ دل چاہتا ہے مگر اس کو نہیں کرنے دینا۔ خواہش کو دبانے کا ہی سلیبس ہے۔ جتنی مرضی پیاس لگی ہے۔ گرمیاں آنے والی ہیں، روزے تو رکھنے ہیں لیکن اللہ کا حکم ہے تو وہ نہیں کرنا۔ اسی طرح باقی بھی اللہ کے احکام ہیں، اس میں جذبہ پیدا ہو، اس ٹریننگ سے اسے استعمال کرے، کہتے ہیں کہ؛

''زندگی چند روزہ ہے اور ہمارا اس میں روزہ ہے''۔

یہ چند روزہ ہے لیکن ہمارا اس میں روزہ ہے۔ پابندی کے ساتھ چلنا ہے۔ جو اللہ نے کہا ہے کہ نہیں تو نہیں۔ جو کوئی بیٹا کہے، باپ کہے، کوئی رشتہ دار کہے، یہ کام کرنا ہے مگر نہیں کرنا۔ وہ لوامہ میں آ کر مطمئنہ میں آجائے، اس رمضان کی ٹریننگ ہی ہے کہ اس کو Self control حاصل ہو جائے۔ نفس جو ہے یہ بے لگام گھوڑے کی طرح ہے۔ گھوڑا جب نیا نیا ہوتا ہے تو یہ اوپر نہیں بیٹھنے دیتا۔ سوار اس کو لٹکا لیتے ہیں پھر لگام اس کو مارتے ہیں۔ وہ پھر رکتا ہے اور مانتا ہے۔

بڑے مزے سے وہ پھر تابع ہو جاتا ہے۔وہ خوش ہو کے بڑے نخرے کر کر کے چلتا ہے۔تو وہ مطمئنہ ہے۔وہ اس پر آ گیا،اس کی اطاعت میں اور اسی سے چلتا ہے۔تو وہ نفس مطمئنہ اللہ کی اطاعت میں آ گیا۔اللہ کے بندوں میں آ گیا تو خود وہ اللہ آواز دے کر بلاتا ہے؛

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً.

(سورۃالفجر ۸۹۔آیات:۲۷۔۲۸)

وہ راضی ہے۔اللہ تم سے راضی اور تم اس سے راضی۔آ جاؤ اس کے پاس۔تم جب ٹھیک ہو گئے ہو،اطاعت میں آ گئے ہو تو آ جاؤ۔

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي. وَادْخُلِي جَنَّتِي. (سورۃالفجر ۸۹۔آیات ۲۹۔۳۰)

میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ اور جنت میں آ جاؤ۔جنت اس کے بندوں سے ہی ہے۔نیک لوگ جو ہیں،ان میں داخل ہو جاؤ،شامل ہو جاؤ۔تم اب بندوں میں آ جاؤ جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔وہ سرکش نفس نہیں رہا۔اب میری اطاعت میں آ گیا۔

اس نفس کی یہ کیفیات ہیں،تین حالتیں ہیں۔وہ ترقی کرتا ہے اور اس میں آ جاتا ہے۔تسلیم و رضا اور قطع ما سویٰ اللہ اسی لیے کئے جاتے ہیں کہ یہ ادھر آ جائے۔وہ ادھر جانے والے راستے پہ آ جائے۔اللہ کی رضا پر راضی رہے۔چھوٹی چھوٹی چیزوں میں پہل کرو پھر اللہ بڑی بڑی چیزوں میں بھی رضا کی توفیق دے دیتا ہے۔چھوٹے چھوٹے آپ کے کام روزانہ مرضی کے خلاف ہوتے ہیں۔ہر ایک کا اپنا اپنا Field ہے۔اس کے اپنے اپنے تقاضے ہیں۔صبح ناشتہ نہیں ملا،دیر ہو گئی۔یہ ہو گیا،وہ ہو گیا۔یہ دہی نہیں ملا۔ٹائم پر باہر آئے،بس نہیں ملی۔ Routine خراب ہو گئی تو وہ Patience سے کھڑا رہتا ہے کہ کوئی بات نہیں اگر دیر ہو گئی۔مطلب یہ کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر چلنا ہے۔صبر کا مظاہرہ کرنا ہے۔زبان سے بھی نہیں بولنا پھر آہستہ آہستہ اندر دل سے بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔اب تو گالیاں بھی نہیں دیتا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔مصیبت ہے،

بسیں کہاں مرگئی ہیں۔ آج کیا ہو گیا ہے ان کو۔ تو وہ پھر بخ بخ بک بک نہیں کرتا۔ اس میں Patienceاور ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ وہ اچھا ہو جاتا ہے۔ وہ بدلی ہوئی کیفیات جو ہیں انہیں کا نام نفس ہے۔ یہ Faculty to wish جو ہے اسی کا نام نفس ہے۔ وہ اللہ نے بنا دیا ہے۔ وہ جہاں سے گزرا، اسی کو دیکھ لیا۔ خواہش کرنے کی جگہ۔ خواہش کیا ہوتی ہے؟ یہ تو اپنے اپنے ماحول کی بات ہے۔ پاکستان میں اگر کوئی بھوکا مر رہا ہو تو وہ دو اور دو چار روٹی کی بات کرے گا۔ امریکہ میں ہے تو وہ دو اور دو چار کاروں کی بات کرے گا، جیسا ان کا ماحول ہے یہ خواہشات انہیں کے مطابق ہی ہوتی ہیں۔ یہ Advertisement، یہ اشتہار بازی، یہ اور وہ یہ سب خواہشات کو ترقی دینے کے ساں ہیں اور یہ ہماری بے چینی میں اضافہ کرنے کے لئے ہیں کہ یہ ایک چیز بھی نکل آئی ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ فلاں چیز بھی نکل آئی ہے اور ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ قناعت کا درس دینے والے ادارے بند ہو گئے ہیں کہ جہاں وہ اشفاق احمد جیسے بابے جو وہ باتیں بتاتے تھے، یہاں وہ ختم ہو گئی ہیں کہ اس پر آدمی صبر کرے اور خوش رہے۔ نبی پاک ﷺ کا ماڈل صحیح ہے۔ ان کے تو کوئی تخت نہیں تھے، کوئی محلات نہیں تھے، کچھ نہیں تھا۔ خلفائے راشدین نے بھی دنیا میں حکومتیں کی ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں تھا۔

باباجانؒ نے اپنی پوتی کا نام لیا کہ اس نے میسیج بھیجا کہ جب انگریزوں کے ہوتے ہوئے کانگریس نے حکومت بنائی تو انگریز نے کہا کہ میں تمہیں رام اور کرشن کی باتیں نہیں بتاتا کیونکہ وہ تاریخی ہستیاں نہیں ہیں، ان کا پتا نہیں ہے اور ثبوت نہیں ہے کہ وہ تھے بھی کہ نہیں تھے مگر میں عمرؓ اور ابو بکرؓ کی مثال دیتا ہوں جو تاریخی شخصیات تھیں۔ یہ تو پتا ہے سب کو کہ وہ تھے، آدھی دنیا پر ان کی حکومت تھی۔ سادگی رہی۔ جس طرح انہوں نے سادگی اختیار کی تم بھی ایسے ہی رکھنا۔ ادھر ہی مسجد میں آتے تھے، نماز پڑھتے تھے، زمین پر بیٹھتے تھے۔ کوئی پارلیمنٹ نہیں تھی۔ ساری عمر ٹھاٹھ باٹھ کا کوئی پہلو اختیار نہیں کیا۔ ان کو اس پروٹوکول کا خیال نہیں تھا کہ یہ ہمارا پروٹوکول ہے۔

حضرت عمرؓ وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر خطبہ دے رہے تھے۔ یہ تو نہیں تھا کہ میں بڑی سلطنت کا President ہوں۔ میرا یہ ہے یا وہ۔ اسی میں گزارا کیا۔ اسی سادگی میں ساری عمر رہے تھے۔ مسجد جو ہے وہ ان کی پارلیمنٹ تھی۔ اس میں بیٹھ کر مشاورت ہوتی تھی۔ جتنا اور جو کچھ بھی پیسہ تھا وہ عوام کی Welfare کے لئے دیا گیا۔ مملکت جو ہے وہ عوام کی خوشحالی کے لئے تھی ایک ہی کام ہوسکتا تھا کہ یا تو اپنے محل بنا لو یا غریب کی کٹیا ہے جس کی اس کو مکان بنا دو۔ ان کی روزی روٹی کا انتظام ہو جائے۔ وہ سب کچھ اس میں کرتے تھے۔ یہ ان کا آئین تھا۔ دنیا کو عدل و انصاف سے بھرا۔ دنیا میں انسانیت کے دکھوں کو مٹایا۔ ان کی خوشیوں میں اضافے کے لئے کام کیا حضورﷺ کے لئے فرمان ہے کہ:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (سورۃ التوبہ ۹۔ آیت ۱۲۸)

جو انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے، وہ ان کو بہت گراں گزرتی ہے۔ یہ چھوٹی سی بھی تکلیف انسان کو کیوں پہنچتی ہے۔ یہ کسی طرح ٹھیک ہو جائے۔ اس کے لئے لاء بنائے، قانون سازی کی حضورﷺ نے فرمایا کہ ایسا ٹائم آئے گا کہ زکوۃ لے کر پھریں گے کوئی لینے والا نہیں ہوگا۔ وہ واقع ایسا ہوا۔ فرمایا کہ Life ایسی ہوگی کہ اکیلی عورت زیورات کے ساتھ چلے گی تو اسے آسمان کے نیچے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا کہ کوئی میرے زیور چھین لے گا۔ ایسی فضا پیدا ہوگی۔ لوگ اس طرح کے متقی بن جائیں گے۔ اصل پیدا کرنا تو وہ ہے کہ لوگ متقی بن جائیں اور اپنی زندگی جو ہے وہ اللہ کی طرف ڈھال لیں۔ بڑا مشکل کام ہے مگر ایک نمونہ نبی کریمﷺ نے پیدا کر کے دکھا دیا، دنیا نے دیکھ لیا۔ History of prophethood میں وہ کامیاب پیغمبر جنہوں نے دنیا میں اللہ کا نظام نافذ کیا، اور جو اب بھی دنیا میں کسی نہ کسی صورت میں چل رہا ہے۔ England اور امریکہ میں وہی ان کے قوانین استعمال کر رہے ہیں۔

انسان کا نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔اس کی جو کیفیات ہیں ان میں آجاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کو بلالیتا ہے کہ آجاؤ میرے پاس۔تم میری جنت میں آجاؤ۔یہ تب ہی جائے گا جب اس کے بندوں والی صفات اس میں پیدا ہو جائیں گی اور وہ اطاعت میں آجائے گا۔خدا کی محبت میں آجائے گا۔دنیا کی آگ والی بات، شیطان کا Fellow جو ہے، اس کو وہ چھوڑ دے گا۔ چونکہ وہ تو اللہ نے کہا کہ وہ تمہارا دشمن ہے۔وہ تمہیں اپنی ساری پارٹی کو دوزخ میں بلاتا ہے کہ میرے پاس آئیں۔وہ دشمن ہے تمہارا تو اس کو دشمن ہی سمجھو۔مطلب یہ کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی جو ہدایت ہے اس پر چلو، ٹھیک رہو گے۔اس پر نہیں چلو گے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔یہ ایک ہی نفس کی کیفیات ہیں جو بدلتا ہے، وہ اس میں آتا ہے، مطمئنہ بھی ہو جاتا ہے۔

باباجانؒ سے پوچھا گیا کہ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ. وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ. یہ ادھر ہی ہے یا مرنے کے بعد؟

باباجانؒ فرمانے لگے کہ نہیں نہیں ادھر ہی ہے۔یہاں ہی ہے۔بزرگوں نے لکھا ہے۔ اس قدرت اللہ نے لکھا ہے۔کسی بزرگ کا قول ہے کہ دنیا میں بھی ایک جنت ہے، جو اس دنیا میں اس جنت میں داخل نہیں ہوگا، وہاں بھی نہیں ہوگا۔دعا مانگتے ہیں کہ؛

رَبَّنَا آتِنَا فِيْ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِيْ الآخِرَةِ حَسَنَةً (سورۃ البقرہ۲۔آیت۲۰۱)

ادھر بھی حسنہ مانگتے ہیں۔اگر ادھر حسنہ نہ ملا تو اُدھر کیسے ملے گا۔دعا کے تو یہی دو حرف ہیں یہاں بھی بھلائی وہاں بھی بھلائی۔اگر یہاں نہیں ملی تو وہاں پھر کیسے ملے گی۔یہ نہیں ہے کہ اس کا معیار وہ دوسرا ہے۔ایسا ویسا نہیں ہے۔وہ ہے حسنہ، بالکل اللہ کی راہ میں خوش۔بے نیاز تھے، اللہ سے خوش تھے۔کوئی شکوہ شکایت کبھی زبان پر نہیں لائے اور نہ کسی نے دیا۔ان کی خوشی کا معیار وہ اپنا تھا، اسی پر چلتے تھے۔

قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کے خطوط بنام: محمد عمر ساجد

مورخہ: 31.08.2004

السَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ!

آپ کا خط بھی ملا اور الحمد للّٰہ ملاقات بھی ہوگئی۔ اگر چہ آپ کا قیام مختصر تھا پھر بھی اللہ تعالیٰ رحمت فرما کر اسے دِل کی آبادی کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ روزانہ ذکر با قاعدگی کے ساتھ کر رہے ہیں اور ہفتہ وار ذکر کی محفل میں بھی حاضری دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے جو فضائل قرآن و حدیث میں آئے ہیں آپ بھائی ان سے واقف ہیں۔ بات تو عمل کی ہے۔ اگر آپ جم کر کچھ عرصہ تعلیم پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ میں روحانی ترقی کی علامات ضرور ظاہر ہونگی۔

اگر ممکن ہو تو لا اِلٰہ الّا اللّٰہ کا ذکر بلند آواز سے کریں۔ اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی امر مانع ہو تو پھر آہستہ ہی کر لیا کریں۔ روزانہ قرآن کریم کی باترجمہ تلاوت اور ایک ہزار مرتبہ درود شریف کا بھی اہتمام رکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دلی مرادیں پوری فرمائے اور دنیا اور آخرت میں سرخرو فرمائے۔ آمین!

والسلام

مورخہ: 26.12.2004

السَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ!

میں 21 دسمبر کو لاہور چلا گیا تھا محمد یعقوب صاحب 8 جنوری کو مع اہلیہ حج کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ وہاں سبھی بھائی بخیریت تھے۔ وہاں سے واپسی ہوئی تو آپ کے خطوط آئے ہوئے تھے۔ یہ حسن اتفاق بھی ہے اور چوک اعظم کے بھائیوں کے اتفاق کا مظہر بھی ہے کہ پانچ خطوط تھے اور سارے چوک اعظم ہی سے آئے تھے۔ آج فرصت ملی تو جواب لکھنے بیٹھا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کے دلوں میں اپنی مزید اور شدید محبت پیدا فرمائے۔ صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور دونوں جہانوں میں سرخرو فرمائے۔آمین!

سارے کام مستعدی کے ساتھ انجام دینے ہی میں کامیابی اور فلاح ہے، دین کے کام ہوں یا دنیا کے۔دنیا کے کام بھی ذوق وشوق اور تندہی سے کرنے چاہئیں۔اسی طرح نماز، ذکر، درود شریف اور تلاوت قرآن پاک مقررہ وقت پر اور سخت پابندی کے ساتھ ہونے چاہئیں۔اسی ترکیب سے شیطان اور نفس پر قابو پایا جاسکتا ہے۔اگر اسے ڈھیل دیں تو پھر یہ آدمی پر سوار ہوجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ سب بھائیوں کو اپنی راہ پر استقامت عطا فرمائے اور صراطِ مستقیم پر چلاتے ہوئے اپنا قرب اور دیدار عطا فرمائے۔آمین!

آپ کے والد ماجد نیک اور بزرگ انسان تھے اور آپ کی خوش بختی ہے کہ ان سے راہنمائی ملتی رہتی تھی۔آپ اب اللہ کی راہ پر لگ گئے ہیں تو ان کی روح یقیناً اس بات سے خوش اور مطمئن ہوتی ہوگی،اس لئے جلد ملاقات نہیں ہوئی۔اب جب کبھی ملیں گے اپنی خوشنودی کا اظہار بھی فرمائیں گے۔میری طرف سے تمام برادران کو سلام کہہ دیں۔مہینے یا دو مہینے بعد چوک اعظم اور فتح پور کے بھائیوں کو مل کر حلقے کا پروگرام بناتے رہنا چاہیے۔اس طرح باہمی محبت بڑھتی ہے اور نئے دوستوں کو بھی اجتماعی ذکر میں دعوت دی جاسکتی ہے۔ والسلام

مورخہ: 30.04.2005

السَّلامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ الله !

الحمد اللہ سالانہ اجتماع پر جو تھکاوٹ ہوئی تھی اب دُور ہوچکی ہے۔دور دراز کے جو بھائی جلسہ میں نہیں آسکے،ان کو خطبہ کی کاپیاں بذریعہ ڈاک بھجوا رہا ہوں۔

یہ بڑی برکت والی اور محبت والی بات ہے کہ آپ نے ذکر کی محفل اپنے گھر میں شروع کرا دی ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے ذکر کی محفل کو دوام بخشے اور وسعت عطا فرمائے۔

اس طرح آپ اپنے پڑوسیوں اور دوستوں کو بھی ذکر کی محفل میں شمولیت کی دعوت دے سکتے ہیں۔اور سلسلہ کے تعارف سے حلقہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے فقیروں کی خدمت کا صلہ دنیا اور آخرت میں عطا فرمائے۔آمین!

اسرار صاحب کا فون آیا تھا کہ ان کا تبادلہ ہو گیا ہے۔بڑے اچھے اور فعال بھائی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے نئی جگہ مبارک فرمائے۔آمین!

قوالی میں ہر ایک کو ایک جیسا مزہ اور سرور نہیں ملتا۔کچھ لوگ چشتی رنگ کے ہوتے ہیں ان کے قلب و ذہن کی بناوٹ ہی ایسی ہوتی ہے کہ غناء اور موسیقی سے انہیں زیادہ لگاؤ ہوتا ہے اور سماع سے ان کی کیفیت جلد بدل جاتی ہے۔آپ فکر بالکل نہ کریں۔سماع والی کیفیات عارضی ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر اور مجاہدہ سے حاصل کی ہوئی کیفیات مستقل اور دیرپا ہوتی ہیں۔ نمازیں پڑھنے اور ذکر کرنے سے اگر اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھ رہی ہو اور اخلاق اچھا ہو رہا ہے، نیک خیالات آتے ہیں اور برے کاموں سے طبیعت خود بخود متنفر ہوتی ہے، نیک اور تعمیری کاموں کے لئے جذبات اُبھرتے ہیں تو الحمد للہ روحانی ترقی ہونے کی علامات ہیں اور آپ کو ذکر اور تلاوت قرآن میں زیادہ لطف آیا کرے گا اور نمازیں حضوری والی ہوتی چلی جائیں گی۔ پاس انفاس پر خصوصی توجہ رکھیں۔میری طرف سے تمام برادران حلقہ اور خادم حلقہ کو سلام کہہ دیں۔

صحت الحمد للہ معمول کے مطابق ہے۔میرے لئے دُعا کرتے رہا کریں۔ آپ کے احباب کو بھی میرا سلام۔

والسلام

اللہ تعالیٰ کی کرسی اور جدید سائنس

(امیر حمزہ)

قرآن کی، جس آیت میں "کرسیه" یعنی اللہ تعالیٰ کی کرسی کا ذکر ہوا ہے، اللہ کے رسول حضرت محمد کریم ﷺ نے اس آیت کو "آیت الکرسی" کا نام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کرسی کے بارے میں واضح کرتے ہوئے "وسع کرسیه السمٰوٰت والارض "اللہ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ یاد رہے! جہاں آسمانوں اور زمین کا ذکر آتا ہے، وہاں کائنات مراد ہے، یعنی ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی کرسی کے گھیراؤ میں ہے۔ جی ہاں! کرسی کتنی بڑی ہے اور اس میں موجود کائنات کی جو جسامت ہے، اس کی حیثیت کیا ہے، اس کے بارے میں اللہ کے رسول حضرت نبی کریم ﷺ کا ایک فرمان صحیح سند کے ساتھ یوں ہے کہ فرمایا: "کرسی کے اندر ساتوں آسمان اس طرح ہیں، جس طرح وسیع عریض ریگستانی زمین میں ایک انگوٹھی پڑی ہو۔" (سلسلہ صحیحہ 109)

حدیث میں "فلاۃ" کا لفظ ہے۔ "لسان العرب" میں اس کا معنی وسیع وعریض ریگستان ہے۔ اس کا معنی چٹیل میدان بھی ہے۔ دونوں معنوں کو ملائیں تو معنی "ریگستان نما چٹیل میدان" ہوگا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے "بارض فلاۃ" فرمایا ہے، یعنی اس سے پوری زمین بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ جی ہاں! ساری زمین ایک ریگستان نما چٹیل میدان ہو تو یہ کرسی کی جسامت ہے اور اس میں ایک انگوٹھی پڑی ہو تو یہ ساتوں آسمانوں جیسی جسامت ہے۔

معلوم ہوا اس کرسی میں بے شمار، لاتعداد اور ان گنت کائناتیں سما سکتی ہیں۔ اگر پوری زمین مراد نہ بھی لی جائے۔ سعودی عرب کا صحرا ہی مراد لے لیا جائے، تو وہ بھی چھ لاکھ پچاس ہزار

مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔جزیرۃالعرب کے اس صحرا کو"ربع الخالی"کہاجاتا ہے۔ یہ ایک ہزار کلومیٹر لمبا اور پانچ سو کلومیٹر چوڑا ہے۔اتنا بڑا صحرا کرسی سمجھ لی جائے تو اس کے وسط میں پڑا ہوا ایک چھلا یا انگوٹھی (Ring) ساتوں آسمان ہیں،یعنی اس اعتبار سے کرسی اس قدر بڑی ہے کہ اس میں اربوں کھربوں کی گنتی سے کہیں زیادہ کائناتیں سما سکتی ہیں۔باقی کرسی کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں،وہ ہماری ذہنی پرواز کے اعداد وشمار سے کہیں بڑی ہے۔نظریاتی فزکس کے نامور سائنس دان مسٹر اسٹیفن ہاکنگ جو تھوڑا عرصہ قبل وفات پاگئے ان کی کتاب میرے سامنے ہے۔ اس کا نام (The Universe In A Nutshell) ہے۔کتاب کا تیسرا چیپٹر بھی اسی عنوان سے ہے۔عنوان کے نیچے اخروٹ کی تصویر ہے،یعنی جس طرح اخروٹ میں مغز بند ہے، اسی طرح یہ کائنات ایک مضبوط خول کے اندر بند ہے ۔مسٹر ہاکنگ یہاں انگریز دانشور مسٹر شیکسپیئر کا ایک قول لائے ہیں:

"I could be bounded in a nutshell and count myself a king of infinite space)

"میں تو ایک خول میں جکڑا ہوا ہوں، جب کہ میں اپنے آپ کو لامحدود خلا کا بادشاہ سمجھے ہوئے ہوں"۔۔۔۔اسٹیفن ہاکنگ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں اس حقیقت کا برملا اعتراف اور اعلان کیا کہ"یہاں تو کئی آسمان ہیں اور کئی کائناتیں ہیں۔"

جی ہاں مولا کریم نے اپنے آخری رسول کریم حضرت محمدﷺ پر آخری کتاب قرآن کریم نازل فرمائی تو اس کا آغاز ہی بے شمار کائناتوں کے وجود سے کیا۔فرمایا: "سب تعریف اس اللہ کیلئے جو بے شمار کائناتوں کی ضروریات کو پورا فرمانے والا ہے"۔دوسرے مقام پر فرمایا: " فللہ الحمد رب السمٰوٰت و رب الارض رب العٰلمین" (الجاثیہ:36) سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے،تمام کائناتوں کا رب ہے ۔قارئین کرام! یہاں آسمانوں کا الگ تذکرہ فرمایا، زمین کا الگ تذکرہ فرمایا ۔۔

اور پھر کائناتوں کا الگ تذکرہ فرما کر واضح کر دیا کہ کائنات کوئی ایک نہیں، بلکہ بے شمار ہیں اور سب کائناتیں کرسی کے اندر جکڑی ہوئی ہیں، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان میں ''فی الکرسی'' ہے یعنی کرسی کے اندر ہیں۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے زمین کی شکل بیضوی ہے، ستاروں اور سیاروں کی شکلیں بھی تقریباً ایسی ہی ہیں۔ کہکشاؤں کی صورتیں بھی اس قسم کی ہیں۔ کرسی کی صورت بھی ایسی ہی ہوگی، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ کس قدر بے شمار کائناتیں ہیں، جو بن چکی ہیں، بنتی جا رہی ہیں۔ اور بنتی چلی جائیں گی۔ ان کی تعداد بس اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوق کرسی کے اندر انتہائی معمولی حیثیت کی حامل ہیں۔ یاد رہے! اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی اور ابدی ہیں۔ خلق، یعنی پیدائش (creation) اللہ تعالیٰ کی صفت ہے صفت کا اظہار ہر لمحے جاری و ساری۔ اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ کرسی سے بھی بڑی کوئی مخلوق ہے؟ جی ہاں! اور وہ اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے ''کرسی کے مقابلے میں عرش اتنا بڑا ہے جتنا کہ چٹیل ریگستانی میدان انگوٹھی سے بڑا ہے۔'' (سلسلہ صحیحہ 109) معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، جسے آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ (القرآن) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک فرشتے کی حقیقت کو بتلانے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دی ہے۔ ان کے کان کی کونپل سے گردن تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت ہے۔ (الجامع الکامل) یہ رفتار اگر حضرت جبرائیل جیسے فرشتوں کی رفتار کے مطابق ہوگی، تو اتنی سی جگہ پر نہ جانے کتنی کائناتیں سما جائیں۔

الغرض! سب سے بڑی مخلوق عرش ہے۔ عرش کے بعد اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق کرسی ہے۔ کرسی میں بے شمار کائناتوں میں سے ایک ہماری کائنات ہے، جو سات آسمانوں اور سات زمینوں پر مشتمل ہے۔ اس میں جو ہمارا آسمان ہے، قرآن نے اسے آسمان دنیا کہا ہے اور فرمایا کہ ہم نے اسے ستاروں سے مزین فرمایا ہے باقی آسمانوں کی تزئین و آرائش یا بناوٹ کیسی ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ سائنس دان اب تک جو دوربینیں بنا چکے ہیں، ان میں

زمینی، خلائی اور وائیجر ون، وائیجر ٹو جیسی خلائی شٹلز جو نظام شمسی کو کراس کر کے آگے جا چکی ہیں، ان کی بھیجی ہوئی معلومات کے مطابق یہاں تو خلا میں "سپر کلسٹر" یعنی ایسے بڑے جھرمٹ ہیں، جن میں اربوں کھربوں کلسٹر ہیں، پھر ہر کلسٹر میں اربوں کہکشائیں ہیں۔ جی ہاں! ایک کہکشاں میں اربوں کھربوں ستارے، سیارے ہیں، بلیک ہولز ہیں اور نہ جانے کیا کچھ ہے۔ ان اربوں کھربوں کہکشاؤں میں سے ایک ہماری کہکشاں ہے جس کا نام ہم نے ملکی وے، یعنی "دودھیا راستہ" رکھا ہے۔ اس کے ایک بازو پر ہمارا نظام شمسی ہے، جو بے چارہ ایک نکتے کی طرح ہے، پھر اس نظام شمسی میں ہماری زمین بالکل ایک نکتہ معلوم ہوتی ہے۔ جب ناسا کا وائیجر ون نظام شمسی سے نکلتے ہوئے نظام شمسی کے 9 سیاروں کی تصویر ناسا کے کنٹرول روم میں بھیجتا ہے تو اہل زمین کو ہماری اوقات سے باخبر کرتا ہے۔ لوگو! اس زمین پر سات براعظم ہیں اور کوئی تیسرے حصہ سے بھی کم خشکی ہے۔ سمندروں اور برفوں میں گھرے ہوئے خشکی کے ان ٹکڑوں پر کوئی دو سو کے قریب ملک ہیں، جن میں انسان اور جانور بستے ہیں۔ ملکوں میں رقبے کے اعتبار سے ممالک کو پانچ درجوں میں تقسیم کیا جائے، تو میرے ملک پاکستان کا شمار تیسرے درجے میں ہوگا۔

یوں تو ساری دنیا میں ہی کرسی کا جھگڑا ہے، چار ٹانگوں والی کرسی جو بمشکل چار مربع فٹ کی جگہ گھیرتی ہے، اس پر ایک انسان بیٹھ جاتا ہے، کبھی وہ ساڑھے پانچ فٹ کا ہوتا ہے، کبھی چھ فٹ کے آگے پیچھے ہوتا ہے۔ اصل انسان تو "روح" ہے۔ یہ بے چارہ تھوڑے سے ٹائم کے لیے گوشت، ہڈیوں اور خون نام کے پانی کے مکسچر میں قید ہے۔ میرے حضور ﷺ نے فرمایا "دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے" (مسلم) یہاں مومن کم ہی نظر آتے ہیں، جن کی نظر اپنے حقیر اور فانی وجود سے آگے بڑھتے ہوئے عرش کے نیچے فردوس پر جاتی ہے۔ اکثر کا حال یہی ہے کہ کرسی کی خاطر چالیں چلتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، سازشیں کرتے ہیں، کرپشن کرتے ہیں، انسانوں پر ظلم کرتے ہیں، قید خانوں میں پھینکتے ہیں، گالم گلوچ تک کرتے ہیں، مگر ایک مومن جب ان کو دیکھتا ہے

تو یہ سب کھلونے دکھائی دیتے ہیں، جو چھوٹی سی حقیر جگہ پر دھینگا مشتی کر رہے ہیں۔ایسی دھینگا مشتیاں کرتے کرتے بے شمار حکمران جنہیں بادشاہ، سلطان، قیصر، کسریٰ، صدر، وزیراعظم وغیرہ کہا جاتا تھا،قبرستان نامی زمین میں مٹی بنے پڑے ہیں۔باقیوں کا حشر بھی عنقریب ایسا ہی ہونے والا ہے، مگر عبرت مومن ہی پکڑتا ہے۔میرے حضورﷺ کا غلام اور پیرو کار کہ جس کی نظر عرش بریں پر ہے۔کردار رو غلا نہیں، فرشتہ سیرت ہے۔وجود تو اس کا بھی مٹی میں ہے، مگر روح عرش کے نیچے ہے۔اس لیے کہ اس کی سوچ اور اس کا کردار عرشی ہے فرشی نہیں ہے۔

قارئین کرام! میں چند لمحوں کے لیے روحانی فلائٹ پکڑتے ہوئے عرش کے نیچے جا کھڑا ہوا، مجھے بڑی مشقت کے بعد اپنی کائنات دکھائی دی۔دنیاوی آسمان دیکھنا تو بہت مشکل ہو گیا دیکھا تو ملکی وے ایٹم سے بھی چھوٹے ذرے الیکٹرون جیسی دکھائی دی۔آگے میں نظام شمسی کو کیا دیکھتا، زمین پر کیا نظر ڈالتا کہ اس کا وجود عدم سے بھی کمتر تھا۔ڈونلڈ ٹرمپ کی کرسی، ولادی میر پیوٹن کی کرسی، چین کے شی کی کرسی، شاہوں کی کرسی اور میرے پاکستان کی وزارت عظمیٰ کی کرسی، نہ یہ وہاں یاد تھیں، نہ ان کی کوئی حیثیت تھی۔میں نے ''سبحان اللہ'' کا ورد کیا۔۔۔اگلے لمحے ذہنی طور پر زمین پر تھا۔اب میں اس عارضی کاٹھ کباڑ میں اس احتیاط کے ساتھ رہنے کا پروگرام بنا رہا ہوں کہ عرش کے نیچے فردوس میں میری آخری روحانی فلائٹ کنفرم ہو جائے۔

خداشناسی ہی سے سلوک کے مدارج طے ہوتے ہیں اوراللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے

(ملفوظات شیخ عبدالقادر جیلانی)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
''جس کے لئے خیر کا کوئی دروازہ کھولا جائے تو اسے چاہیے کہ اس کو غنیمت سمجھے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کب بند کردیا جائے گا''۔

خوش ہو اور غنیمت سمجھو زندگی کے دروازے کو جب تک کہ کھلا ہوا ہے، وہ عنقریب بند کردیا جائے گا،غنیمت سمجھو نیکوکاریوں کو جب تک کہ تم ان کے کرنے پر قادر ہو،غنیمت سمجھو توبہ کے دروازے کو اور اس میں داخل ہو جاؤ جب تک کہ وہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے،غنیمت سمجھو دُعا کے دروازے کو کہ وہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے۔غنیمت سمجھو اپنے دین دار بھائیوں کی روک ٹوک کے دروازے کو کہ وہ تمہارے لیے کھلا ہوا ہے، ورنہ پھر کوئی بھی تمہیں بداعمالیوں سے روکنے یا نصیحت کرنے والا نہیں۔لوگو! بنالو جو کچھ توڑ چکے ہو، دھولو جس کو نجس کر چکے ہو،سنوارلو جس کو بگاڑ چکے ہو، صاف کرلو جس کو مکدّر کر چکے ہو،اورلوٹا دو جو کچھ لے چکے ہو،اپنے فرار اور بھاگنے سے تائب ہوکر لوٹ آؤ اپنے مولیٰ عزّ وجل کی طرف۔

یہاں کوئی نہیں بجز خالق عزّ وجل کے،پس اگر تو خالق کے ساتھ رہے تب تو تُو اس کا بندہ ہے،اور اگر مخلوق کے ساتھ رہے تب تو ان کا بندہ ہے، تجھے واعظ بننا زیبا نہیں جب تک کہ اپنے قلب کی حیثیت سے بیابان اور جنگل ومیدان قطع نہ کرے،اور اپنے باطن کے اعتبار سے سب کو چھوڑ نہ دے،کیا تو نہیں جانتا حق تعالیٰ کا طالب سب سے مفارقت اختیار کرتا ہے، یہ بات

یقینی ہے کہ مخلوق میں سے ہر چیز بندے اور اس کے خدا کے درمیان پردہ ہے، پس وہ جس شے پر بھی پڑے گا وہ حجاب بن کر اس کو چھپا لے گی۔

صاحب زادہ! کاہل مت بن کیونکہ کاہل ہمیشہ محروم رہتا ہے اور پشیمانی کی رسّی اس کی گردن میں ہوتی ہے، اپنے اعمال کو عمدہ بنا کہ حق تعالیٰ تجھ پر دنیا و آخرت کی سخاوت فرمائے گا۔ ابو محمد عجمی رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ:۔

اے اللہ! ہم کو اچھے اعمال والا بنا دے۔

اگرچہ عجمی ہونے کے سبب یہ لفظ ان کی زبان سے اچھی طرح ادا نہیں ہوتا تھا، مگر مطلب یہی تھا کہ جس کو صاحبِ ذوق پہچانتا ہے۔ مخلوق کے ساتھ خوبی سے میل جول رکھنا اور اس کی موافقت کرنا اچھی بات اور مبارک ہے۔ بشرطیکہ شریعت کی حدود اور اس کی رضا کے ساتھ ہو، لیکن اگر اس کی حدود میں سے کسی حد سے تجاوز یا شریعت کی ناراضی لازم آئے تو اچھی نہیں۔

دُعا کا جال کھڑا کر اور رضا کی طرف لوٹ (یعنی دُعا مانگو مگر ملنے اور نہ ملنے پر بہر حال راضی رہو)، زبان سے ایسی حالت میں دُعا مت کر کہ تیرا قلب اعتراض کر رہا ہو۔ قیامت کے دن انسان یاد کرے گا جو کچھ بھلائی یا برائی دُنیا میں کر چکا تھا، پس وہاں پشیمانی نفع نہ دے گی اور یاد کرنا مفید نہ ہوگا، موت سے پہلے آج یاد کرنے میں بے شک شان ہے، لوگوں کے کھیتی کاٹتے وقت بیج بونے اور جوتنے کا تذکرہ سودمند نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"دُنیا آخرت کی کھیتی ہے"

پس جو شخص بھلائی بوئے گا وہ غلہ کاٹے گا (کہ لوگ اس کی عمدہ حالت پر رشک کریں گے) اور جو بدی بوئے گا وہ ندامت کاٹے گا (کہ بدی کا ثمرہ پشیمانی ہے) جب موت تیرے سامنے آکھڑی ہوگی تب تو بیدار ہوگا ایسے وقت بیدار رہنا تجھ کو فائدہ نہ دے گا۔ یا اللہ! ہم کو ان لوگوں کی نیند سے بیدار کر جو تجھ سے غافل اور تیری ذات و صفات سے جاہل ہیں، آمین۔

تیرا بدکاروں کے ساتھ رہنا تجھ کو نیکوکاروں سے بدگمانی کے اندر ڈال دے گا، اللہ عزّ وجل کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کی سنت کے سایہ کے نیچے چلو، یقیناً فلاح پاؤ گے۔

شرماؤ حق تعالیٰ سے جیسا کہ شرمانا چاہیے، غفلت میں نہ پڑے رہو، تمہارا وقت بے کار جا رہا ہے، تم مشغول ہو ایسی چیز کے جمع کرنے میں جس کو کھا نہ سکو گے، آرزو رکھتے ہو ایسی چیزوں کی جن کو نہیں پا سکو گے، اور تعمیر کرتے ہو ایسے مکانات کی جن میں نہیں رہ سکو گے، یہ ساری چیزیں تم کو تمہارے رَبّ کے مقام سے محجوب کرتی ہیں، اللہ عزّ وجل کی یاد اہلِ عرفان کے دِلوں میں خیمہ لگاتی اور ان کو گھیر لیتی ہے اور ہر مذکور کی یاد انکو بھلا دیتی ہے، پس جب یہ حالت کامل ہوجاتی ہے تو اَب جنت ٹھکانہ ہے، ایک جنت نقد اور دوسری جنت وہ ہے جس کا وعدہ ہے جو دنیا میں ملتی ہے، وہ رضا برقضا اور قلب کا اللہ تعالیٰ سے قرب اور اس کے ساتھ راز و نیاز اور اسکے اور خدا کے درمیان سے پردے کا اُٹھ جانا ہے کہ ایسے قلب والا شخص اپنی خلوت میں ہر حالت کے اندر حق تعالیٰ کے ساتھ ہے بلا کیفیت اور بلا شبہ کے کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے (پس اس معیت کی کوئی کیفیت کیا بیان کرے) اور جنت موعود وہ ہے جس کا حق تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے، اور حق تعالیٰ کریم کا دیدار بلا حجاب ہے، کوئی شبہ نہیں کہ خیر و خوبی ہر قسم کی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی و شر دوسروں کی طرف سے، اس کی طرف متوجہ ہونے میں خیر ہے اور اس سے روگردانی میں شر، ہر عمل جس کا تو معاوضہ چاہے وہ تیرا ہے اور ہر عمل جس کا مطلوب اللہ تعالیٰ کی ذات ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ہے جب تو عمل کرے گا اور معاوضے کا طالب ہو گا تو اس کی جزا بھی مخلوق ہی ہو گی (خواہ جنت ہو یا حوریں) اور جب عمل کرے گا خاص حق تعالیٰ کے لئے تو اس کی جزا اس کا قرب اور اس کا دیدار ہے، پس مناسب ہے کہ اپنے اعمال پر معاوضے کا خواہاں مت ہو، اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کیا ہستی ہے آخرت! اور ماسویٰ اللہ تعالیٰ کے طالب بنو منعم حقیقی کے اور مت طلب کرو نعمت کو، طلب کرو پڑوسی کو گھر سے پہلے (کہ اصل

راحت پڑوس کے عمدہ ہونے سے ہے نہ کہ گھر سے، اسی طرح اصل راحت دیدارِ حق میں ہے نہ کہ جنت میں) وہی ہر چیز سے پہلے تھا اور وہی ہر شے کا موجد ہے اور وہی ہر چیز کے بعد ہوگا ۔موت کو یاد رکھنا، مصیبتوں پر صبر کرنا اور تمام حالتوں میں حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا لازم سمجھ، جب یہ تینوں خصلتیں تیرے لیے کامل ہو جائیں گی تب تیرے پاس بادشاہت آئے گی کہ موت کے یاد رکھنے سے تیرا زُہد صحیح ہو جائے گا، اور صبر کے سبب جو کچھ تو اپنے رب سے چاہے گا اس میں بامراد ہو جائے گا، اور توکل سے ساری چیزیں تیرے قلب سے باہر نکل جائیں گی، تیرا تعلق تیرے رَب عزوجل سے ہو جائے گا تو تُو دُنیا و آخرت اور ماسویٰ سے دُور ہو جائے گا، تیرے پاس ہر طرف سے راحت آئے گی اور ہر جانب سے حفاظت و نگہبانی آئے گی، تیرا آقا عزّ وجل ہر چھ اَطراف سے تیری حفاظت فرمائے گا، مخلوق میں کسی کو تجھ پر (حملہ کرنے کا) راستہ باقی نہ رہے گا، ساری جہتیں تیری طرف سے مسدود اور دروازے تیری طرف سے بند کر دیئے جائیں گے اور تو من جملہ ان لوگوں کے بن جائے گا جن کے حق میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

(اے شیطان!) میرے وہ بندے بھی ہیں جن پر تجھے کسی قسم کی دسترس نہیں ۔

اس کو موحدین مخلصین پر کس طرح دسترس ہو سکتی ہے جو اپنے اعمال میں مخلوق کا دکھاوا جانتے ہی نہیں ، گویائی تو انتہاء میں ہوتی ہے نہ کہ ابتداء میں ابتداء تو سارا گونگا پن ہے، انتہا سارا گویائی ہے، مخلص کی بادشاہت اس کے قلب میں ہے اور سلطنت اس کے باطن میں، ظاہری حکومت کا اعتبار نہیں اور شاذونادر مخلص ایسے بھی ہوتے ہیں جو ظاہری و باطنی بادشاہت کے جامع بنتے ہیں ،ہمیشہ پوشیدہ حال بنا رہ، یہاں تک کہ تُو کامل بن جائے اور تیرا قلب تیرے رب عزوجل تک پہنچ جائے ،پس جب تُو کمال پر پہنچ گیا تو اب (اظہارِ حال کی) پروا نہیں ہے، اب کیوں پروا جبکہ حال یہ ہے کہ حال محقق بن چکا اور تُو اپنے مقام میں قائم و صاحبِ تمکین ہو گیا، تیرے محافظ سپاہی تجھ کو گھیرے ہوئے ہیں مخلوق تیرے نزدیک ستون اور درختوں جیسی (بے اختیار) بن گئی اور تیرے نزدیک ان کی مدح اور مذمت اور توجہ و روگردانی برابر ہوگئی ،اور تو ان کا بنانے والا اور تُو

توڑنے والا ہے کہ ان میں اپنے خالق کے اِذن سے تصرف کرتا ہے، اور تیرے قلب کے ہاتھ میں حکم نامہ حوالے کر دیتا اور تیرے باطن کے ہاتھ میں شناخت بخشتا ہے، جب تک یہ حالت صحیح نہ ہو جائے وعظ کا موقع نہیں، صاحبِ عقل بن، ہوس مت کر، تو اندھا ہے، اس کا طلب گار ہو جو تیرا ہاتھ پکڑے، تو جاہل ہے پس تلاش کر اسے جو تجھے عالم بنائے، اور جب وہ ہاتھ آ جائے تو اس کا دامن پکڑ لے اور اس کے قول اور رائے کو قبول کر اور اس کی رہبری سے راستے تک پہنچ جائے تو وہاں بیٹھا رہ یہاں تک کہ اس کی معرفت تیرے لئے محقق ہو جائے اور اِستقامت کی بدولت راہِ حق کی شناخت پوری ہو جائے، پس اس وقت ہر بھولا بھٹکا تیری پناہ میں آئے گا، اور تو فقیر و مسکین کا طباق بن جائے گا (کہ حاجت مند مخلوق تجھ سے رہنمائی اور تربیت کا نفع اُٹھائے گی)۔ جوانمردی ہے حق تعالیٰ کے راز کی حفاظت کرنا اور لوگوں سے خوش خلقی کا خوگر ہونا۔ (اے مخاطب!) ماسوی اللہ کو چھوڑ کر حق تعالیٰ سے راضی ہونے اور طالب حق بننے سے تو کتنی دُور جا پڑا؟ کیا تو نے ارشادِ خداوندی نہیں سنا کہ:۔

بعض تم میں وہ ہیں جو دُنیا چاہتے ہیں، اور بعض تم میں وہ ہیں جو آخرت چاہتے ہیں۔

اور دُوسری جگہ مخلصین کی شان اس طرح بیان فرمائی کہ:۔

وہ چاہتے ہیں اللہ کی ذات کو۔

(اس سے معلوم ہوا کہ طالب تین قسم کے ہیں، جن میں سب سے افضل وہی ہیں جو طالب ذاتِ حق ہیں)۔ اگر تیرا نصیبہ اچھا ہے تو عزت کا ہاتھ تجھ تک پہنچے گا جو تجھ کو جملہ ماسوی اللہ کے ہاتھ سے چھڑا لے گا اور قربِ حق کے دروازے تک لے آئے گا، پس وہاں ولایت اللہ سچے ہی کی ہے، جب تیری یہ حالت کامل ہو جائے گی تو دُنیا اور آخرت دونوں خادم بن کر بلا مضرت و بلا مشقت تیری طرف آئیں گی، حق تعالیٰ کے دروازے پر دستک دے اور اسی کے دروازے پر جما رہ، جب تو وہاں پڑا رہے گا تو خواب کی اصلیت تجھ پر واضح ہو جائے گی، پس تو پہچان لے گا، خاطرِ نفس، خاطرِ ہوا، خاطرِ قلب، خاطرِ ابلیس اور خاطرِ فرشتے کو، تجھ سے کہا جائے گا کہ یہ خاطرِ حق ہے

اور یہ خاطرِ باطل، ہر ایک تجھ کو اس علامت سے معلوم ہو جائے گا جس کو تو پہچانتا ہوگا، جب تو اس مرتبے پر پہنچ جائے گا تو حق تعالیٰ کی طرف سے خاطر (جس کو اِلہام کہنا چاہئے) تیرے پاس آئے گی جو تجھ کو ادب سکھائے گی، تجھ کو ثابت قدم بنائے گی، وہی تجھ کو کھڑا کرے گی، وہی تجھ کو بٹھائے گی، وہی حرکت کرے گی، وہی سکون دے گی، اور وہی منع کرے گی۔

صاحبو! زیادتی کے طالب ہونہ کمی کے، نہ آگے بڑھنے کے اور نہ پیچھے ہٹنے کے، کیونکہ تقدیر تم میں سے ہر شخص کو جدا جدا محیط ہو چکی ہے، تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کے لئے خاص لکھت اور مخصوص تحریر نہ ہو، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

تمہارا رَب فراغت پا چکا پیدائش، رزق، موت اور زندگی سے، خشک ہو چکا قلم اس سے جو ہونے والا ہے۔

فارغ ہو لیا حق تعالیٰ ہر شے (کی لکھت) سے اس کی تقدیر کی لکھت مقدم ہے لیکن حکم بعد میں، اور اَمر، نہی اور اِلزام نے اس کو پردہ اُڑھا دیا ہے (کسی کو خبر نہیں کہ اس کی تقدیر میں اِطاعت لکھی ہے یا معصیت)، پس کسی کے لئے جائز نہیں کہ حکم پر حجت پکڑے پہلی لکھت سے (اور یوں کہے کہ "جب میں نے اس کے موافق کیا جو میری تقدیر میں میری پیدائش سے قبل ہی لکھ دیا گیا تھا، تو پھر سزا کیوں دی جاتی ہے؟") بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ

"حق تعالیٰ سے جو وہ کرے اس کی باز پرس نہیں ہو سکتی اور لوگوں سے پوچھ ہوتی ہے"

صاحبو! عمل کرتے رہو اس ظاہر پر، اس سیاہی پر جو سفیدی کے اُوپر ہے، یعنی کتاب و سنت پر یہاں تک کہ یہ جو ظاہر ہے کہ اس پر عمل کرنا تم کو اس کے باطن پر عمل کرنے پر آمادہ کرے، جب تو اس ظاہر پر عمل کرے گا تو یہ باطن کے سمجھنے کی طرف تجھ کو پہنچا ان کی مصلحتوں اور منفعتوں کے لئے ہوگا۔ مبارک ہو تجھ کو اگر تو نے حق تعالیٰ کی موافقت کی اور اس کو محبوب سمجھا، افسوس ہے تجھ پر! دعویٰ کرتا ہے اللہ عزوجل کی محبت کا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس کی شرطیں بھی ہیں، پس اللہ کی محبت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ ماسوی اللہ سے سکون نہ پائے اور اللہ ہی سے اُنس رکھے اور

اس کے ساتھ وحشت میں نہ پڑے، جب اللہ کی محبت بندے کے قلب میں ٹھہر جاتی ہے تو وہ اس سے مانوس ہوتا اور اس چیز کو دُشمن سمجھنے لگتا ہے جو اس کو اللہ سے غافل بنائے، اپنے جھوٹے دعوے سے توبہ کر، یہ بات ہوس اور آرزو اور جھوٹ، نفاق اور تصنع سے حاصل نہیں ہوا کرتی ،توبہ کر اور توبہ کر اپنی توبہ پر قائم رہ کیونکہ شان تو درخت کے جمے اور شاخوں کے پھوٹنے اور پھل لانے میں ہے، لازم پکڑو حق تعالیٰ کی موافقت کو رنج میں، تکلیف میں، افلاس میں، تونگری میں، سختی میں، ارزانی میں، بیماری میں، تندرستی میں، بھلائی میں، برائی میں، بخشش کے وقت اور ہاتھ روکنے کے وقت، میرے نزدیک شانِ تسلیم کے سوا تمہاری کوئی دوا نہیں، جب حق تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی حکم فرمائے تو اس سے گھبراؤ مت اور نہ اس کے متعلق اس سے نزاع کرو اور نہ اس کی دوسروں سے شکایت کرو، کیونکہ اس سے مصیبت اور بڑھے گی بلکہ سکون، خاموشی اختیار کرو، جمے رہو اس کے حصے میں اور دیکھتے رہو کہ وہ تمہارے اندر اور تمہاری بابت کیا عمل فرماتا ہے، پس خوش ہو اُس کے تغیر و تبدل پر، جب تم اس کے ساتھ اس طرح رہو گے تو بالضرور وحشت کو اُنس سے بدل دیا جائے گا اور اقرار توحید کے ساتھ توحید پر مسرور رہنا ملا دیا جائے گا۔

یا اللہ! ہم کو اپنی بارگاہ میں اور ہم کو دُنیا میں بھی خوبی اور آخرت میں بھی خوبی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

نصب العین کی خواہش

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

نصب العین کی خواہش انسان کی ان تمام خواہشات پر حکومت کرتی ہے جو اس کی زندگی کی نفسیاتی سطح سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ اگر ان خواہشات میں سے کوئی اپنی اصلی حالت میں اس بڑی خواہش کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو وہ اس کو بدل کر ان تقاضوں کے مطابق کر لیتی ہے۔ان خواہشات میں سے ہر خواہش صرف اپنی ہی تشفی چاہتی ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد (مثلاً کسی دوسری خواہش کی خدمت یا اعانت) نہیں ہوتا۔لیکن جب نصب العین پوری طرح سے حسین نہ ہو تو پھر ان میں سے کوئی خواہش بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں ہوتی۔

نصب العین کی خواہش ان میں سے ہر ایک کو بدل کر اپنے مطابق کر لیتی ہے اور یہ تبدیلی غیر شعوری طور پر عمل میں آتی ہے۔یہاں تک کہ انسان کو بالکل علم نہیں ہوتا کہ اس نے ان خواہشات کو اپنے اصلی راستہ سے ہٹا دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر نصب العین کے چاہنے والوں کا ضابطہ اخلاق اور علم اور آرٹ الگ ہوتا ہے۔اگر پوچھا جائے کہ نصب العین کی خواہش انسان کی نفسیاتی یا جمالیاتی سطح کی خواہشات پر کیوں حکمران ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان وہ سارا حُسن جس کی تمنا اس کی فطرت کے ایک تقاضا کے طور پر اس کے دل میں ہوتی ہے اپنے نصب العین کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔لہٰذا اگر وہ دیکھے کہ اس کی کوئی خواہش اس حُسن کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی تو جب تک وہ اس کو بدل کر اس حُسن کے مطابق نہ کرے وہ اسے نہ حُسن سمجھ سکتا ہے اور نہ درست۔

نصب العین کی خواہش انسان کی نفسیاتی اور جمالیاتی خواہشات پر ہی نہیں بلکہ اس کی جبلّتی خواہشات پر بھی حکمران ہے۔ایک حیوان کے لیے ناممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنی کسی جبلّتی

خواہش کے دباؤ کو روک سکے۔اس کے برعکس انسان اپنی کسی جبلّتی خواہش کی تشفی اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کا نصب العین اجازت نہ دے۔جب ایک انسان کا نصب العین یہ تقاضا کرتا ہو کہ وہ اپنی زندگی کو قائم رکھے،تو وہ اس کو قائم رکھنے کے لئے اپنی جبلتی خواہشات کی مناسب تشفی کے لئے پوری کوشش کرتا ہے لیکن جب نصب العین کا تقاضا یہ ہو کہ انسان اپنی زندگی کو اس کی حفاظت کے لئے قربان کرکے شہید ہو جائے تو وہ جبلتی خواہشات کی تشفی سے ہی نہیں بلکہ خود زندگی سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور اسے قربان کرنے کے لئے بخوشی آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو ان لاتعداد واقعات کی تشریح کرتی ہے جو ہر روز ہمارے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنے نصب العین کی خاطر یہ جانتے ہوئے زندان میں جانا قبول کرلیا ہے کہ وہاں اسے اپنی جبلتی ضرورت کو روکنا یا ترک کرنا پڑے گا یا اسے سخت قسم کی مشقتیں برداشت کرنے کے سوائے چارہ نہ ہوگا یا فلاں شخص نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا ہے یا میدان جنگ میں گولی کھا کر مرجانا قبول کرلیا ہے۔انسان صرف ایک ہی خواہش رکھتا ہے اور وہ کسی نصب العین کی خواہش ہوتی ہے۔اس کی باقی تمام نفسیاتی یا جبلتی خواہشات اس ایک خواہش کے تابع ہوتی ہیں۔یہی ایک خواہش اس کے تمام اعمال و افعال کی اصلی اور بنیادی قوت محرکہ ہوتی ہے اور اس کی فطرت کی کوئی اور قوت اس کے کسی عمل یا فعل کو پیدا نہیں کرتی۔یہی خواہش فطرت انسانی کا وہ طاقتور اور زبردست جذبۂ عمل ہے۔

نصب العین کی خواہش اور نوعِ انسانی کی ذہنی اور اخلاقی صحت:

اگر نصب العین کی خواہش کی رکاوٹ یا مایوسی سے دوچار ہو جائے تو انسان کی شخصیت دب جاتی ہے اور کمزور ہو جاتی ہے اور انسان پریشان اور غمگین ہو جاتا بلکہ بعض وقت شدید قسم کی ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس اگر یہ خواہش مسلسل اور مکمل طور پر مطمئن ہو رہی ہو تو انسان کے لئے ترقی پذیر راحت اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ایک انسان کو جس

قدر زیادہ اپنے نصب العین سے محبت ہوتی ہے اسی قدر زیادہ اسکی شخصیت بھی بلند اور بالا ہوتی ہے اور اسی قدر زیادہ اس کی زندگی کی مسرت اور راحت اور طمانیت بھی مکمل اور بھرپور ہوتی ہے۔

تاریخ کا مدعا: جب سے انسان کو اپنے آپ کا شعور حاصل ہوا ہے، انسان ایک ایسے نصب العین کی جستجو میں مصروف ہے، جس کے سامنے وہ مستقل طور پر اور اپنے دل کی پوری رغبت کے ساتھ اپنی والہانہ محبت پیش کر سکے یعنی ایک ایسا نصب العین جو حسن اور کمال کے دائمی اور ابدی اوصاف سے آراستہ ہوتا کہ اس کی محبت انحطاط اور زوال کے حادثات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رہے۔

بسا اوقات اس قسم کے نصب العین کی جستجو اسے شدید مصائب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ تاہم وہ اس جستجو کو ترک نہیں کرتا کیونکہ اس کی فطرت کا ایک زبردست اور بے پناہ تقاضا اسے مجبور کرتا رہتا ہے کہ وہ اسے ہر حالت میں جاری رکھے خواہ اس کے نتائج کچھ ہوں۔ نوع انسانی کی پوری تاریخ جس میں جا بجا عالمگیر جنگوں اور ان گنت انسانوں کی اندوہناک صعوبتوں کے نظارے بھی دکھائی دیتے ہیں فقط ان واقعات کی ایک داستان ہے جو حضرت انسان کو اپنے محبوب نصب العین کی حد درجہ دشوار جستجو کے دوران شروع سے لے کر آج تک پیش آئے ہیں۔

نصب العین کی عمومی صفات: انسان جس نصب العین کی جستجو کر رہا ہے وہ اس کے اندر فی الواقع کون سے اوصاف کی موجودگی کی توقع کرتا ہے اس سوال کا جواب نصب العین کے لئے انسان کی فطری خواہش کی نوعیت کے اندر پہلے ہی سے موجود ہے کیونکہ یہ خواہش حسن کے لئے ہے وہ صرف ایک ایسے نصب العین سے ہی مطمئن ہو سکتی ہے جو منتہائے حسن و کمال ہو یعنی:

(i) جو ہر اس نقص یا عیب سے پاک ہو جس کا ہم انسان ہونے کی حیثیت سے تصور کر سکتے ہیں

(ii) جس میں وہ تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود ہوں جن کو ہم اپنی فطرت کے تقاضوں کی بنا پر عمدہ اور حسین اور قابل ستائش اور لائق محبت سمجھتے ہیں۔ نقص یا عیب محبت کا دشمن ہے لہٰذا جونہی انسان کو اپنے نصب العین کے اندر کسی چھوٹے سے چھوٹے نقص کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے اس کی

محبت کافور ہو جاتی ہے بلکہ نفرت میں بدل جاتی ہے ۔ بے شک ایک انسان ایک گھٹیا نصب العین سے بھی محبت کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔

ایک نصب العین کے اوصاف: انسان کے نصب العین کے ان عمومی اوصاف سے ہم بڑی آسانی سے اس کے نصب العین کے اوصاف کا استنباط کر سکتے ہیں ۔مثلاً ہم ان اوصاف کی روشنی میں یہ جان سکتے ہیں کہ:۔

(۱) انسان کے نصب العین کا حسن غیر محدود اور لازوال ہو کیونکہ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے نصب العین کے حسن کی ایک حد ہے جس سے آگے وہ نہیں جا سکتا تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ اس حد سے آگے اس کا نقص شروع ہو جاتا ہے ۔اس کا حسن عارضی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد ختم ہو جائے گا تو وہ مجبور ہوگا کہ اسے آج بھی حسن سے محروم سمجھے۔

(۲) انسان کا نصب العین کوئی ایسی چیز ہو جو زندگی کا وصف رکھتی ہو کیونکہ وہ کسی ایسی چیز کو اپنا محبوب نہیں بنا سکتا جو بے جان ہو ۔انسان کسی مردہ چیز کی ستائش اس وقت کرتا ہے جب وہ اس کی طرف نادانی سے زندگی کا وصف منسوب کر رہا ہو یا شعوری یا غیر شعوری طور پر اسے کسی زندہ وجود کا مظہر سمجھ رہا ہو۔

(۳) انسان کے نصب العین کی زندگی اس کے حسن کی طرح دائمی ہو کیونکہ اگر اسے معلوم ہو کہ وہ مستقبل میں کسی وقت مر کر نیست و نابود ہو جائے گا تو وہ یہ محسوس کرنے کے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ وہ اب بھی ناپائیدار ہے اور وہ چھوڑ جانے والا دوست ہے جو قابل اعتماد نہیں ۔

(۴) انسان کے نصب العین کے اندر زندگی کی وہ تمام خصوصیات بدرجہ کمال موجود ہوں جن کا احساس وہ ایک زندہ وجود کی حیثیت سے اپنی ذات میں کرتا ہے ۔انسان کی دنیا کے اندر اس کا کوئی مقصود یا مدعا ہو جسے وہ حاصل کرنا چاہتا ہو اور اس بات کی طاقت رکھتا ہو کہ اس مقصود یا مدعا کو حاصل کرنے کے لئے عمل کر سکے اور اس عمل میں کامیاب ہو سکے ۔مختصر طور پر یہ کہ اس کے اندر

محبت اور عدم محبت کے تمام اوصاف موجود ہوں اور وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ان کا اظہار کر سکے۔ اگر انسان کے نصب العین کے اندر ان اوصاف میں سے کوئی وصف بھی موجود نہ ہو اور انسان کو اس کا علم ہو جائے تو اس کے لئے اپنے نصب العین سے محبت کرنا یا اس کی خدمت اور اعانت کے لئے کام کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

محبت ہمیشہ محبوب کی خدمت کے لئے عمل کا تقاضا کرتی ہے اور یہی عمل اس کی علامت اور اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس عمل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ محبوب کو خوش کیا جائے اور اس کی محبت یا رضامندی یا پسندیدگی یا قرب کے احساس کی مسرت حاصل کی جائے ایک نصب العین کو چاہنے کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتے کہ نصب العین کے حصول کے لئے کام کیا جائے یا جدوجہد کی جائے اور اس طرح زیادہ سے زیادہ اس کے قریب پہنچا جائے لیکن اگر انسان کا نصب العین اس قسم کا ہو کہ وہ نہ کسی عمل کو پسند کرتا ہو اور نہ ناپسند، نہ اس کے نزدیک کوئی چیز زشت ہو نہ زیبا نہ حق ہو نہ باطل اور نہ نیک ہو نہ بد، دوسرے لفظوں میں انسانی دنیا کے اندر اس کا کوئی مدعا نہ ہو اور کوئی ایسا مقصد نہ ہو جس میں اس کے چاہنے والے اس سے تعاون کر سکیں تو ایسی حالت میں اس کے چاہنے والے کیونکر جان سکتے ہیں کہ اس کی محبت کا اظہار کرنے کے لئے اور اس کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے اور اسے خوش کرنے کے لئے اور اس سے قریب ہونے کے لئے ان کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ انسان اپنے نصب العین کی محبت کا اظہار کرنے کے لئے کوئی کام کرنا چاہتا ہے اور جاننا چاہتا ہے کہ یہ کام کیا ہے۔ وہ ایسی محبت سے مطمئن نہیں ہو سکتا جو عمل کی صورت اختیار نہ کر سکے اور دل ہی دل میں رہے اور انسان کے عمل کو اوروں کے لئے چھوڑ دے۔ اگر انسان کو معلوم ہو کہ اس کا نصب العین نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے، نہ محسوس کر سکتا ہے، نہ جان سکتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے، نہ محبت اور عمل اور خدمت اور قربانی کی قدر دانی کر سکتا ہے اور نہ محبت کا جواب محبت سے دے سکتا ہے تو اس کے چاہنے والوں کے لئے ان کے خادمانہ افعال اور اعمال کے اندر کوئی کشش باقی نہ رہے گی اور ان کو جاری رکھنے کے لئے کوئی داعیہ موجود نہ رہے گا۔

غور سے دیکھا جائے تو جس چیز کو ایک انسان نیکی سمجھتا ہے وہ انگریزی زبان کی مشہور ضرب المثل کے خلاف کبھی اپنا انعام آپ نہیں ہوتی بلکہ اس کا انعام یہ مسرت آمیز یقین ہوتا ہے کہ یہ اس کے نصب العین کو جسے وہ ہمیشہ ایک شخص یا شخصیت تصور کرتا ہے پسند آتی ہے۔

(۵) ضروری ہے کہ ایک انسان کا نصب العین صاحب قدرت وقوت ہو کیونکہ اگر اسے معلوم ہو کہ اس کا نصب العین اپنے دوستوں اور مددگاروں کو صلح دینے یا ان پر نوازش کرنے کی قدرت نہیں رکھتا یا اپنے دشمنوں اور مخالفوں کو سزا دینے سے معذور یا بے بس ہے تو وہ محسوس کریگا کہ اس سے محبت کرنا یا اس کی خدمت اور اعانت کرنا ایک بے فائدہ مشغلہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ دنیا کو اپنے نصب العین کے مطابق لانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہوگا اور بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا رہا ہوگا تو عین اس وقت اس کے مخالفین نہایت آسانی کے ساتھ اور کسی سزا کے خوف سے بے پروا ہو کر اس کے سارے کام کو بگاڑ رہے ہوں گے اور اس کی ساری کوششوں کو خاک میں ملا رہے ہونگے۔ اس صورت میں وہ یہ محسوس کرے گا کہ اس کا نصب العین کمزور اور ناتواں ہے اور اس کی محبت اور پرستش کا حقدار نہیں۔

(٦) ضروری ہے کہ انسان کے نصب العین کے اندر نیکی کے اوصاف بھی بدرجہ کمال موجود ہوں کیونکہ یہ اوصاف بھی حسن کے اوصاف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم ان کو سراہتے اور پسند کرتے ہیں اگر اسے معلوم ہو کہ ان اوصاف میں سے کوئی وصف ایسا ہے جو اس کے نصب العین میں موجود نہیں تو ضروری بات ہے کہ وہ اس کو ایک نقص قرار دے اور جس حد تک کہ اس کا نصب العین اس وصف سے عاری ہو اسے حسن سے بھی عاری سمجھے اور اس سے محبت نہ کر سکے۔

(۷) ضروری ہے کہ انسان کا نصب العین اپنے اوصاف میں بے نظیر اور بے مثال ہو اور کوئی ہمسر یا شریک نہ رکھتا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ سمجھے کہ کوئی اور تصور بھی اس کے اوصاف میں شریک ہے تو پھر وہ مجبور ہوگا کہ بیک وقت دو نصب العینوں سے محبت کرے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو اس کی فطرت کی رو سے ناممکن ہے۔ کسی انسان کے پہلو میں دو دل نہیں ہوتے اور لہذا کوئی

انسان بیک وقت دونصب العینوں سے محبت نہیں کرسکتااور پھر حسن کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ بھی بیک وقت دونصب العینوں میں اپنی حالت کمال پر موجود نہیں ہوسکتا۔

(۸) انسان کا نصب العین ایسا ہو کہ پوری کائنات کی تخلیق اس کے مدعا کے مطابق ہو۔ دوسرے لفظوں میں ضروری ہے کہ اس کا نصب العین خود کائنات کا خالق اور حکمران ہو ۔ اگر ایسا نہ ہوتو پھر کائنات کے جو قوانین مادی، حیاتیاتی اور انسانی سطح پر کام کررہے ہیں چونکہ اس کے اپنے پیدا کئے ہوئے نہ ہوں گے۔ لہذا وہ اس کے اور اس کے نصب العین کے مشترک مدعا کے ساتھ متصادم ہونگے یا پوری طرح سے ہم آہنگ نہ ہوں گے لہذا وہ اور اس کا نصب العین دونوں اس قابل نہ ہوسکیں گے کہ اپنے اس مدعا کو حاصل کرسکیں۔ اس کے علاوہ اگر وہ سمجھے گا کہ کائنات جس میں وہ بھی شامل ہے خودبخو دوجود میں آ گئی ہے اور خودبخو د قائم ہے اور اس پر او راس کی اپنی ذات پر اس کے نصب العین کا کوئی اختیار یا تصرف نہیں تو وہ سمجھے گا کہ اس کے نصب العین کی حیثیت اگر اس کی اپنی ذات سے کم نہیں تو اس سے زیادہ بھی نہیں اور لہذا وہ اس بات کی ضرورت محسوس نہ کرے گا کہ وہ اس سے محبت کرے اس کی ستائش کرے یا اس کی خدمت کیلئے جانفشانیاں کرے۔

انسان کی فطرت کی رو سے یہی وہ صفات ہیں جو انسان اپنے نصب العین کے اندر موجود دیکھنا چاہتا ہے۔ خواہ اس کا نصب العین کچھ ہو۔ ایک پتھر ہو یا ایک درخت ہو یا دریا ہو یا پہاڑ یا ایک بت ہو یا قوم یا نسل یا وطن یا ایک نظریہ یا ازم، وہ ان صفات کو اپنے نصب العین کی طرف ہر حالت میں منسوب کرتا ہے۔ بعض کو شعوری اور دانستہ طور پر اور بعض کو غیر شعوری اور نا دانستہ طور پر مثلاً خواہ انسان کا نصب العین کوئی مادی چیز ہو یا کوئی تصور، اس کا چاہنے والا اس کے ساتھ اس طرح سے برتاؤ کرتا ہے کہ گویا وہ ایک شخصیت ہے جس میں زندگی، قوت، حسن، نیکی اور صداقت کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں اور یہی وہ حقیقت ہے جو اس کے لئے ممکن بناتی ہے کہ وہ اس سے محبت کرے اور اس کی ستائش اور پرستش کرے اور اس کی خدمت کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائے ۔

عام انسانوں کے ساتھ معاملہ

(امام غزالیؒ)

ایک انسان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی خوبی نہیں ہے کہ وہ عام انسانوں میں اخلاق ومحبت، ہر دلعزیزی کے ساتھ اور ان میں گھل مل کر شگفتہ روئی کے ساتھ زندگی گزارے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دوست اور دشمن سب سے کشادہ دل ہو کر ملے۔ کسی کو نہ ذلیل سمجھے اور نہ کسی کا مذاق اُڑانے کی کوشش کرے۔ عام آدمیوں میں وقار کے ساتھ رہنا بہتر ہے مگر ایسا نہیں کہ تکبر تک پہنچ جائے۔ اور تواضع اختیار کرے مگر اتنا نہیں کہ ذلت تک پہنچا دے، چلتے ہوئے دائیں بائیں زیادہ مت دیکھو، نہ بار بار مُڑ کر کسی کو دیکھو۔ کسی مجمع کے پاس مت کھڑے ہو، کسی کے پاس بیٹھو تو اطمینان سے ایسا محسوس نہ ہو کہ ابھی اٹھ کے بھاگنا چاہتے ہو، اچھی بات پر کان لگاؤ، کسی کی بات پر زیادہ تعجب اور حیرت مت ظاہر کرو۔ جو دوست صرف تندرستی کا ساتھی ہے اُس سے بچو۔ وہ دشمن سے زیادہ برا ہے۔ مجمع میں آدمیوں کے اوپر سے پھلانگ کر مت جاؤ۔ جگہ جہاں ملے بیٹھ جاؤ راستے میں دوکان پر یا سڑک کے کنارے مت بیٹھو، اور بیٹھنا ہی پڑے تو نگاہ نیچی رکھو، کسی راہگیر کو مت گھور گھور کر دیکھو۔ اس میں خود تمہاری ذلت ہے۔ کسی پر آواز مت کسو، مظلوم کی مدد کرو، فریادی کا ساتھ دو، اس سے بڑی بہادری اور پہلوانی کوئی نہیں ہے۔ کمزوروں کو سہارا دو، بھولے ہوئے کو راہ بتاؤ اور اس طرح بتاؤ کہ کچھ دور اُس کے ساتھ چل کر راستے پر لگا دو، اچھی بات لوگوں کو بتاتے رہو، بُری بات سے لوگوں کو روکتے رہو مگر نہ بار بار روکو، نہ روکنے میں شدت اختیار

کرو‘عوام کے پاس بلاوجہ نہ بیٹھو۔اگر بیٹھنا ہی پڑے تو ان کی بات میں دخل مت دو‘وہ کوئی بُرا لفظ کوئی مسخرہ جملہ کہیں تو اُس سے تغافل برتو۔ہنسی ٹھٹھا عوام سے بہت سختی سے منع ہے‘جب کہ عاقلوں سے بھی منع ہے۔اس سے آبرو عزت ختم ہوجاتی ہے۔بنی آدم باہم دوستی اور محبت میں ایک جسم کی طرح ہیں۔جب جسم کا کوئی حصہ درد کرتا ہے تو سارا جسم متاثر ہوتا ہے‘کسی کو اپنے کلام یا اپنی بات سے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ ”اگر تجھ سے کچھ بن نہ پڑے تو اتنا ہی کر کہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچا۔“اس سلسلے میں کہا گیا ہے۔”بہترین مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے“ایک مسلمان کی چغلی دوسرے سے نہ کھاؤ جو تجھ سے کسی کی چغلی کر رہا ہے ضرور ہے کہ وہ تیری چغلی کسی سے کرتا ہوگا۔اس تمیز کے بغیر کہ کون احسان کے قابل ہے کون نہیں ہے ہر ایک کے ساتھ اخلاق واحسان کا معاملہ کرنا چاہیے۔ایمان کے بعد سب سے بڑی عقلمندی یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ دوستی کی جائے اور تمام مخلوق سے احسان اور نیک سلوک کا معاملہ کیا جائے۔لوگوں سے خوش خلقی کے ساتھ انکی لیاقت کے مطابق گفتگو کرو۔جاہل سے مشکل تقریر نہ شروع کرو‘بوڑھے ضعیف کی عزت اور بچوں پر شفقت کرنی چاہیے۔حضرت ابن عمر کہا کرتے تھے ”نیکی تو بہت معمولی عمل کا نام ہے“۔”خندہ پیشانی اور نرم گفتاری۔“

ہر شخص کے مرتبے کے مطابق اس کی عزت کرنی چاہیے اور کسی بھی قوم وملت کا بڑا آدمی تم سے ملے تو اس کا احترام ضروری‘دل سے تمام انسانوں کو ایک جیسا سمجھے مگر اس کے ساتھ ساتھ فرق مراتب کا خیال رکھے مثلاً بادشاہ‘وزیر‘سپاہی ہر ایک کی عزت واحترام ان کی شان کے مطابق کرو۔سب کو ایک صف میں نہ رکھے جو جس حیثیت کا ہے اس کی حیثیت کا خیال رکھے لیکن ان کی

خدمت' آرام' مہمان داری وغیرہ میں کمی نہ کرے۔ اگر تمہارے پاس کوئی سائل آیا اور تم نے اُسے روٹی بھیج دی۔ پھر ایک معزز سوار آیا اُسے اپنے ساتھ بلا کر بٹھایا تو یہ طریقہ بالکل درست ہے۔ خدا نے انسانوں کا ایک مرتبہ بنایا ہے ہمیں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے' اسی طرح مجلس میں اگر پہلے سے بہت سے لوگ ہیں' کوئی بڑا آدمی آ گیا تو اس کی حیثیت کے مطابق اس کو عزت کی جگہ بٹھانے میں اُس کا احترام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' جب خدا نے اُسے عزت عطا فرمائی ہے تو ہم کو بھی حوصلے کے ساتھ اس کی عزت کرنا چاہیے۔ اگر یہ خیال ہو کہ مجلس کے اور لوگوں کو ناگواری ہو گی تو اس کا خیال نہ کرے' اس میں اپنی ہی قوم ضروری نہیں' کسی بھی قوم کا بڑا آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو۔ دو آدمی لڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ دو دلوں میں صلح کرانا سب سے زیادہ افضل کام ہے اور دو دلوں میں نفاق ڈالنا سب سے بدترین کام ہے بلکہ دو دلوں میں صلح کرا دینا بہترین صدقہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں کے عیب بھی چھپائے اور خود اپنے عیوب بھی چھپائے اور خود اپنے عیوب بھی دوسروں پر ظاہر نہ کرتا پھرے۔ خدا نے جب اس کی پردہ پوشی کی ہے تو وہ خود کیوں اپنی پردہ دری کر رہا ہے۔ تہمت کی جگہوں سے حتی الامکان دور رہنا چاہیے ورنہ لوگ بدگمان ہوں گے غیبت کریں گے اور ممکن ہے وہ خود گناہ میں گرفتار ہو جائے۔ اگر کسی بڑے' بااثر شخص سے تیری ملاقات اور جان پہچان ہے اور کوئی ضرورت مند خواہش کرے تو اس کی سفارش ضرور کر دے یعنی کسی کی سفارش کرنے میں بخل سے کام نہ لے۔ سفارش کرنا اپنے بھائی کی مدد ہے۔

کسی بداخلاق اور جاہل سے واسطہ پڑ ہی جائے تو کوشش کر کے خوش اخلاقی اور شرافت سے اس کو ٹال دے۔ خود بداخلاقی کا مظاہرہ نہ کرنے لگے' بداخلاق سے جب تک اللہ پاک اُس کے شر سے بچنے کا راستہ نہ نکال دے' اخلاق سے پیش آنا ہی دانش مندی ہے اور

موقع ملتے ہی اس سے دور ہو جائے ۔زیادہ تر مال داروں کے پاس ان کی مجلس میں نہ رہے' غرباء مساکین نیز چھوٹے لوگوں سے ملتا رہے ۔کہا گیا ہے جس سے مساکین اور غرباء راضی ہیں یہ علامت ہے کہ اس سے خدا راضی ہے ۔ہر ایک کی خیر خواہی ،بہتری کا خیال رکھو ۔تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہ ہو گا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ چیز نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے' کسی بھائی کے کام کے لیے دو قدم چلنا بھی بڑی عبادت ہے' اللہ اُس شخص سے بہت خوش ہوتا ہے جو کسی غمزدہ کے کام آئے اور کسی مظلوم کی مدد کرے ۔خدا کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ یہ بات لگتی ہے کہ کوئی شخص خدا کی مخلوق کو ستائے' اس سے بڑھ کر کوئی خصلت نہیں کہ کوئی اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچائے ۔کوئی بھائی بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی کرنی چاہیے مگر بیمار کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھے' اس سے سوالات نہ کرے' اس کی تندرستی کی دل سے تمنا کرے اور دعا مانگے ۔اگر مریض کا کمرہ' بستر اور عام حالت کچھ خراب ہو تو ناگواری کا احساس نہ ہونے دے ۔پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھنا چاہیے تم کیسے ہو؟ بار بار اس کو ڈھارس دے کہ گھبراؤ مت' جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے ۔

اس کے بعد معاشرت کے اور آداب یہ ہیں کہ تم کسی قابل ہو جاؤ اور لوگ تمہاری عزت کریں تو تم خدا کا شکر کرو جس نے تمہیں اس قابل بنا دیا اور لوگوں کے دل تمہاری طرف مائل کر دیے ۔اگر لوگ تمہاری غیبت کریں' ان کی کسی شرارت کا پتہ چلے' تم کو کسی کی ذات سے تکلیف پہنچے تو صبر کرو' بدلہ لینے کی نہ سوچو لوگوں کی آمیزش سے بچو کیونکہ لوگ کسی کی خطا اور لغزش کو معاف نہیں کیا کرتے ۔نہ عیب چھپاتے ہیں' نہ خوبی کی تعریف کرتے ہیں ۔حسد اور انتقام میں تیز ہوتے ہیں ۔انصاف کرنے میں پیچھے رہتے ہیں ۔ذرا سی بھول چوک ہو تو مواخذہ لینے میں تیز اور معاف کرنے میں کمزور ہوتے ہیں ۔عام لوگوں میں حوصلہ اور ظرف نہیں ہوتا کہ وہ دوستی کے تمام تقاضوں کو پورا کر سکیں ۔بغیر ایک مدت تک آزمائے ہوئے بغیر طویل تجربے کے کسی پر اعتماد نہ کرنا چاہیے ۔

ہمسائے کے حقوق:

ہمسایہ اور پڑوسی خواہ کسی قوم اور کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اس کا حق ثابت ہے، مسلم و غیر مسلم دونوں قسم کے پڑوسی سے حُسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، ایک انسان سچا مومن تب ہی ہوسکتا ہے جب وہ اپنے پڑوسی کے لیے اچھا ہو، کوئی بندہ اگر اپنے ایمان دار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اپنے اس دعوے میں اس وقت تک جھوٹا ہے جب تک اس کا پڑوسی اس کی آفتوں سے محفوظ نہ ہو۔ حضور ﷺ نے فرما دیا ہے" اگر تو نے اپنے پڑوسی کے کتے کو بھی پتھر وغیرہ کھینچ کر مار دیا تو تو نے پڑوسی کو ایذا پہنچائی۔" پڑوسی کو ستانے والا خواہ کتنے ہی نیک اعمال دن رات کرتا رہے اس کا سارا عمل بیکار اور ضائع ہے۔ ہمسائے کو تکلیف دینے سے بچا جائے، یہ تو کوئی بڑی بات نہ ہے۔ یہ بات تو پڑوسی کے اینٹ پتھر کو بھی حاصل ہے کہ وہ نہ کسی کو ستاتے ہیں نہ ایذا پہنچاتے ہیں، اُس سے بڑھ کر یہ چاہیے کہ اگر ہمسایہ تکلیف پہنچائے تو صبر کرے اور صبر ہی نہ کرے بلکہ اس کے باوجود ہمسائے سے خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آئے تب جا کر انسانیت ، شرافت اور ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ ابن مقفع کو خبر لگی کہ اُن کا پڑوسی قرض ادا کرنے کے لیے اپنا مکان بیچنا چاہتا ہے، ابن مقفع اس کے مکان کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے دیوار کے سائے میں بیٹھنے کا حق ادا نہ کر سکنے کا سخت افسوس ہوا اور جا کر اس کا قرض ادا کر دیا، مکان بیچنے سے روک دیا۔ پڑوسی کا یہاں تک خیال رکھے اس سے زیادہ دیر گفتگو نہ کرے، مبادا اس کو زحمت ہو۔ اس کے حالات و معاملات کے بارے میں زیادہ کھود کرید نہ کرے، مبادا اسے ناگوار گزرے جب وہ بیمار ہو تو اسکی مزاج پرسی کرے، اس کی دوا کا اور اس کے گھر کی تمام ضرورت کا خیال رکھے بازار سے لا کر دے۔ مصیبت میں اس کو تسلی دے اس کا ساتھ نہ چھوڑے، خوشی میں مبارک باد دے اور اس کے ساتھ خوشی کا اظہار کرے، اس کی کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف کرتا رہے۔ چھت پر سے

اس کے گھر میں پرنالہ بنا کر پانی کا راستہ نکال کر اس کو تنگ نہ کرے۔ اگر وہ کچھ اپنے گھر میں لے جا رہا ہے تو اس پر تاک نہ لگائے، اس کا کوئی عیب معلوم ہو تو چھپا لے۔ اس پر کوئی حادثہ گزرے تو فوراً دستگیری کرے۔ جب وہ گھر پر نہ ہو تو اس کے گھر بار بیوی بچوں کا پورا پورا خیال رکھے۔ اس کے بچے سے نرمی اور محبت کا معاملہ کرے، وہ مدد چاہے تو اس کو مدد دے، وہ قرض چاہے تو قرض دے، کسی بھی قسم کا کام آ پڑے اس کو پورا کرے، کوئی آگ وغیرہ لگ جائے یا کسی وجہ سے محلّہ چھوڑ کر بھاگنا پڑے تو اکیلا نہ بھاگے محلے اور پڑوس کے بچوں، عورتوں اور ضعیفوں کا خیال رکھے، ان کو بھی سہارا دے۔ کوئی چیز تمہارے گھر پر آئے تو پڑوسی کو دے کر کھاؤ اور اگر پڑوسی کو دینے کے قابل نہیں ہے۔ یعنی بہت کم ہے تو ایسی کوشش کرو کہ پڑوسی کو، اس کے بچے کو خبر نہ ہو۔ ورنہ بڑے دکھ کی بات ہوگی۔ اپنے بچوں کو وہ چیز پھل، مٹھائی وغیرہ دے کر باہر مت بھیجو ورنہ پڑوسی کے بچے دیکھیں گے روئیں گے، ضد کریں گے تو ماں باپ کو تکلیف ہوگی۔ ہانڈی اور سالن بھونے بگھارنے کی خوشبو پڑوسی کے گھر تک جانے سے روک سکو تو روک لو۔ اور ظاہر ہے ایسا نہیں ہو سکتا اس لیے جو چیز پکاؤ خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو، پڑوسی کے ہاں ضرور بھیجو۔ حضرت ابن عمرؓ کا ایک پڑوسی یہودی تھا۔ آپ نے زندگی بھر اس کا ہر حال میں خیال رکھا۔ پڑوسی ہونے میں جس کا دروازہ اپنے دروازے سے قریب ہو وہ زیادہ مستحق ہے یعنی اگر چیز کم ہو تو قریب والے کو بھیج دی جائے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ سے کہا تھا "میاں پڑوسی کے ساتھ سختی مت کرنا۔ آدمی چلا جاتا ہے اس کی باتیں دنیا میں یاد کی جاتی ہیں" مطلب یہ ہے کہ ایسے مت بنو کہ لوگ برائی کے ساتھ یاد کریں، عمل کے مقبول یا مردود ہونے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ پڑوسی جس کو اچھا کہہ دے وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہہ دے وہ برا ہے۔ اگر کوئی بہت ہی نیک متقی اور زہد مشہور ہے لیکن پڑوسی اس سے نالاں ہیں تو نہ اس کے نیک اعمال کا اعتبار ہے اور نہ وہ اعمال مقبول ہیں۔ پڑوسیوں کی طرح رشتے داروں کے حقوق ہیں، سب سے اچھا

انسان وہ ہے۔ جو عزیز انہیں چھوڑ دیں مگر وہ سب کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کریں۔اور سلوک وحق کی یہی ادائیگی ہے کہ لوگ اس کو چھوڑ رہے ہوں اور وہ لوگوں کو محبت پیش کرے۔آپس میں صلہ رحمی اور قرابت والوں کے حقوق کی ادائیگی سے آپس کے بڑے بڑے اختلافات اور باہمی جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اور خیر و برکت ظاہر ہونے لگتی ہے کیوں کہ اتحاد و محبت میں بڑی برکت ہے۔اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں کچھ مال تقسیم کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ پہلے اپنے اقارب اور رشتے داروں کا خیال رکھے کیوں کہ پہلے وہی مستحق ہیں، بہترین عطا و بخشش اپنے رشتے داروں میں سے ان کو دینا ہے، جن سے کسی وجہ سے کچھ رنجش ہو اور جو دل میں تمہارے لیے کچھ عداوت رکھتا ہو۔

پھر رشتے داری جس قدر قریبی ہوگی حقوق اسی قدر زیادہ ہوں گے۔اس لحاظ سے والدین (ماں باپ) اور اولاد کا حق زیادہ ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک کو تمام اعمال سے افضل بنایا گیا ہے، ماں باپ کے ملنے والے بھی اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے ساتھ ادب واحترام کیا جائے، ماں باپ کی اجازت کے بغیر، کسی عبادت حج وغیرہ اور حصول علم کے لیے نکلنا صحیح نہیں ہے۔

اپنے ماتحت اور ملازمین کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرے، ان کی خوراک، پوشاک، قیام وطعام، آرام وراحت وغیرہ کا خیال رکھے۔طاقت سے زائد ان سے کام نہ لے، ان سے تکبر اور حقارت کا معاملہ نہ کرے، کوئی خطا ہو جائے تو تحمل، بردباری اور ضبط سے کام لے اور ان کو معاف کرتا رہے اور سوچے کہ وہ بھی انسان ہیں ان سے انسانیت کا معاملہ کرنا چاہیے۔

ھیلتھ کارنر: پپیتا

(حافظ محمد یٰسین)

پپیتا بہت حد تک شباہت میں آم سے ملتا جلتا ہے۔اسی طرح پیلا رنگ، جسامت میں ذرا فربہ مگر ذائقے میں مختلف۔ذائقے میں یہ پھیکا بلکہ قدرے کسیلا ہوتا ہے۔اس پھل کو سب سے پہلے سولہویں صدی میں پاناما اور میکسیکو میں دریافت کیا گیا، پھر دنیا کے دیگر حصوں میں بھی اس کی کاشت ہونے لگی۔اسے پھلنے پھولنے کے لیے ذرخیز زمین اور گرم مرطوب آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے درخت کی اونچائی تقریباً 10 سے 12 فٹ تک ہوتی ہے جس پر شاخیں نہیں ہوتیں۔

کچا پپیتا اپنی ساخت اور رنگ میں اوپر سے سبز اور اندر سے سفید ہوتا ہے۔پکنے پر دونوں اندر اور باہر سے رنگت زرد ہو جاتی ہے اور گودا بھی زرد ہوتا ہے۔آم اور پپیتے کی غذائی تاثیر تقریباً ملتی جلتی ہے۔اس میں روغنی اجزاء کے علاوہ نمک، نشاستہ، فاسفورس، چونا، فولاد اور وٹامن اے وغیرہ موجود ہوتے ہیں۔پپیتا معدے اور جگر کے لیے بے حد مفید ہے۔جگر کے فعل کو تقویت دیتا ہے اور معدے کو طاقت دے کر اسے مزید فعال بناتا ہے۔یہ بدہضمی اور تبخیر معدہ جیسے مرض کا بہترین علاج ہے۔اس میں موجود pepsin ہاضمے کے عمل کو سہولت فراہم کرتا ہے اور اس طرح سے یہ بدہضمی کا بہت اچھا تریاق ہے۔قبض کو دور کر کے اور انتڑیوں کی صفائی کر کے bowl movement کو فعال بناتا ہے، ساتھ ساتھ پیشاب آور بھی ہے۔بدن سے فاسد مادے اور پتھر خارج کرنے میں مددگار ہے۔اس کے علاوہ بواسیر، دائمی قبض، جگر کی خرابی اور تلی کے امراض میں مفید ہے۔پپیتا پیٹ کے کیڑوں کا قدرتی علاج ہے۔

تلی اگر بڑھ جائے اور اس کی وجہ سے عمل انہضام میں پیچیدگی آجائے تو پپیتا کچے پھل کی صورت میں دیں ۔اس کے ٹکڑے سرکے میں ڈال دیں ۔آٹھ یا دس دن کے بعد ایک دو ٹکڑے روزانہ کھایئے ۔مثانے کی درستگی کے لیے بھی یہ پھل مفید ہے ۔اس مقصد کے لیے چھ ہفتے تک صبح و شام آدھ پاؤ پپیتا کھائیں ۔ پپیتا ہاضمے کی شاندار دواء ہے ۔اسے بطور سبزی بھی پکایا جاتا ہے۔قبض دور کرنے کے ساتھ ساتھ یہ دودھ پلانے والی ماؤں کے لیے بھی مفید ہے۔

اس کا سرکہ اور رس وغیرہ کئی ادویات کے بنانے میں استعمال ہوتا ہے ۔اس کا اچار بھی بنتا ہے۔پھل کے ٹکڑے سرکے میں ڈال دیں اور آٹھ دس روز بعد بطور اچار استعمال کریں پپیتے کے چھلکے گوشت گلانے میں مددگار ہوتے ہیں۔گوشت پکاتے وقت پپیتے کا سفوف کام آتا ہے۔ سری پائے ،تکے، کباب اور سخت گوشت گلانے کے لیے ایک چمچ سفوف ڈال دیں ۔

پپیتے سے تیار کردہ دوا Carica papaya ہے۔یہ مندرجہ ذیل علامات کے لیے استعمال کرنے سے مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

ہاضمہ کی ایسی کمزوری جس میں دودھ تک ہضم نہیں ہوتا اس دواء کے استعمال سے درست ہو جاتا ہے۔

خاص طور پر جگر یا تلی کے بڑھ جانے کی صورت میں اگر ہاضمہ انتہائی کمزور ہو جائے تو یہ دواء اپنی تاثیر سے بہت عمدگی کے ساتھ اسے ٹھیک کر دیتی ہے۔

ملیریا بخار کے ساتھ تلی کے بڑھ جانے میں جب تھوڑی تھوڑی مقدار میں بار بار رفع حاجت ہوتی ہو اور جگر کے مقام پر درد ہو، آنکھیں زرد ہو جائیں اور زبان پر میلی تہہ جم جائے تو اس دواء کا استعمال یقیناً شفاء ضامن ہے۔

اسلامی معاشرے کی پہچان

(ماخوذ از تقریر: حضرت مولانا ابوالحسن ندوی)

حقیقت یہ ہے کہ انسان امن کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ ہر فرد، ہر گروہ، ہر جماعت ہر قوم امن کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی یہ ہے اور خدا شناس انسان بھی اپنے ہزاروں سال کے تاریخی تجربوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ حقیقی امن صرف اُس معاشرے میں مل سکتا ہے، جس میں خدا کے خوف سے زندگی ضوابط اور قوانین کے مطابق بسر ہوتی ہو، جو خدا نے عطاء کئے ہیں۔ یعنی ہر شخص کو معلوم ہو کہ اچھے کام کا نتیجہ یہ نکلے گا: اگر بُرا کام کیا جائے گا تو اس کا مواخذہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔

تمام دنیا کی مختلف اقوام کی تاریخ پر غور کیجئے، تو تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جس ملک میں زندگی قاعدے قواعد کی جتنی پابندی کے مطابق بسر ہوتی ہے وہاں اتنا ہی سکون اور امن ہوتا ہے اور انسان کو آسودگی میسر ہوتی ہے۔ ایسی قوموں کی دماغی صلاحیتیں بھی اُبھر جاتی ہیں، کیونکہ امن اور سکون کا احساس اُن تمام خطرات اور اندیشوں کو کاٹ کر الگ پھینک دیتا ہے، جس سے انسان کے اعصاب دبے اور جکڑے رہتے ہیں۔ پھر اُس معاشرے کی تو بات ہی کیا ہے جو اُس قانون، اس تعلیم اور اس آئین کا پابند ہو جو اللہ کا بتایا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمام کائنات میں ایک ہی قانون رائج ہے جو انسان، انسان میں کوئی فرق نہیں کرتا، جو دوسرے تمام قوانین پر غالب ہے۔ دنیا کا کوئی قانون بھی اسے شکست نہیں دے سکتا۔ وہ قانون اس قدر محکم اٹل، غیر متبدل اور یقینی طور پر نتیجہ خیز ہے کہ اس میں کسی قسم کی غلطی، سہو یا لغزش کا امکان ہی نہیں محکمیت کا یہ عالم ہے کہ انسانوں کو تو ایک درجہ کا اختیار ہے کہ وہ جس قسم کی روش چاہیں اختیار

کرلیں مگر تکوینی قانون کو یہ اجازت نہیں کہ وہ جس قسم کا چاہے نتیجہ پیدا کردے۔ جس قسم کی روش انسان اختیار کریں گے، قانونِ خداوندی کے مطابق ہی نتیجہ برآمد ہوگا۔ جس معاشرے میں اس خدا کا شرعی قانون نفاذ پذیر ہوتا ہے، وہ اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے جس میں نہ کسی کی بے جا سفارش چلتی ہے نہ کسی کی رورعایت ہوتی ہے، نہ کسی پر زیادتی ہوتی ہے، نہ کوئی بے گناہ پکڑا جاتا ہے بلکہ کبھی تو غلطی کرنے والے خود اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرتے ہیں۔ جس معاشرے میں اس قسم کا ماحول ہو اس میں امن وسکون کا کیا حال ہوگا۔ اس معاشرے میں خوف وحزن کا دخل نہیں ہوسکتا اور دنیا کا کون سا انسان ہے جو ایسے معاشرے کا فرد ہونا قبول نہیں کرے گا۔

جس معاشرے میں انسانوں کو امن نصیب ہوجائے، انسانی اعصاب سے بے آئینی کا خوف اتر جائے، اُس معاشرے میں انسانی صلاحیتیں خود بخود اُبھرنی شروع ہوجاتی ہیں اور یہ تھا ایک سبب کہ نبی اکرم ﷺ نے اتنی مختصری مدت میں نہ صرف تمدن کی دنیا میں بلکہ خود انسانی قلوب کی بستیوں میں اس قدر محیر العقول انقلاب پیدا کردیا۔ آپ ﷺ نے اس باب میں صرف اتنا ہی نہیں کیا تھا کہ انسانوں تک اللہ کا قانون پہنچا دیا ہو اور اس قانون کو اس معاشرے میں نافذ کردیا ہو بلکہ آپ ﷺ نے یہ بھی اعلان کیا کہ میں خود سب سے پہلے اس قانون کی اطاعت کرتا ہوں اور اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کیا۔

مغرب کے مورخین عمر بھر تحقیق کرتے رہتے ہیں اور پھر بھی سمجھ نہیں پاتے کہ حضور ﷺ نے ایسا انقلاب پیدا کس طرح کردیا؟ اس کا ایک جواب ایسا ہے جو ان کی سمجھ میں بآسانی آسکتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں آئینی زندگی کا امن پیدا ہوگیا تھا۔ سب نے اپنے آپ کو قواعد وضوابط کا پابند بنالیا تھا اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوگئی۔ انسان کے اندر بے پناہ قوتیں موجود ہیں جب وہ قوتیں اس طرح یک لخت اُبھر کر بروئے کار آجائیں تو ان کی رُو سے پیدا شدہ انقلاب کا کیا ٹھکانہ ہے۔ ایسے لوگ عام انسان نہیں رہتے، بلکہ ان سے بلند ہوکر گویا کچھ اور ہوجاتے ہیں پھر ان کا مقابلہ وہ لوگ کبھی نہیں کرسکتے جن کی صلاحتیں دبی ہوئی ہیں۔

بس ہمارا کام ایسے معاشرے کا قیام ہونا چاہیے جس سے ساری دنیا کی کایا پلٹ جائے۔ سب کی اچھائی محسوس کرلیں اور خوداس معاشرے کا فرد بننا پسند کریں اور دوسروں کوبھی اس کی دعوت دیں۔

ہم جب تک اپنا معاشرہ درست نہیں کریں گے، اپنے اخلاق درست نہیں کریں گے، معیاری، مثالی آئیڈیلی معاشرہ جب تک ہم دنیا کے سامنے پیش نہ کریں گے ہم اسلام کی سچائی کو ثابت نہیں کرسکیں گے، اس وقت اسلام کی سب سے بڑی خدمت اور دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ایسا اسلامی معاشرہ ہے۔تنہا گھروں کی سطح پر نہیں، صرف مساجد کی سطح پر بھی نہیں ہاں ایک خطۂ ارضی تو کم از کم ایسا ہو جہاں پر اسلام کی صحیح زندگی آنکھوں سے دیکھی جاسکے، اس کو چھوا جا سکے۔اسی طرح اسلامی زندگی مس کی جاسکے۔اس کی نرمی اور گرمی، اس کا گداز، اس کا سوز و ساز محسوس کیا جاسکے، قلب و دماغ اس کی شہادت دیں اور شہادت ایسی کہ جس کو کوئی جھٹلا نہ سکے۔ جس کی طرف انگلی اُٹھا کر پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں کہ اسلام کو دیکھنا ہو تو اس کو دیکھ لیں، وہ معاشرہ چھوٹا ہی سہی، اس کا رقبہ کچھ ہی سہی۔اصل چیز وزن ہے، معاشرے تو لے جاتے ہیں، ناپے نہیں جاتے، افراد تو لے جاتے ہیں، گنے نہیں جاتے۔اصل چیز حقیقت ہے، کردار ہے، سیرت ہے۔جہاں ایسا معاشرہ قائم ہوگا، اس کا احترام سے نام لیں گے۔اُس معاشرے کی پہچان یہ ہوگی کہ اُس میں اَمن ہوگا۔قانون کی پابندی ہوگی، خدا کا خوف وتقویٰ ہوگا اور آخرت کی تیاری ہوگی۔

صبر

(واصف علی واصفؒ)

انسان کو اس بات پر صبر کرنے کے لئے کہا گیا ہے جو اسے پسند نہ ہو اور جس کا ہو جانا ناگزیر ہو۔ ہر وہ عمل جو برداشت کرنا پڑے، صبر کے ذیل میں آتا ہے۔ ناقابل برداشت کوئی واقعہ نہیں ہے، جس کو دیکھنے والے اور پڑھنے والے ناقابل برداشت کہتے ہیں۔ سانحہ ہو یا حادثہ جس کے ساتھ پیش آ رہا ہے وہ تو اس میں سے گزر رہا ہے رو کر یا خاموش رہ کر۔ انسان کو صبر کی تلقین کی گئی ہے، اس لئے کہ یہ زندگی ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہوتی۔ جہاں ہماری پسند کی چیز ہمیں میسر نہ آئے وہاں صبر کام آتا ہے جہاں ہمیں ناپسند واقعات اور افراد کے ساتھ گزر کرنا پڑے، وہاں بھی صبر کام آتا ہے۔

صبر کا نام آتے ہی اذیت کا تصور آتا ہے ناپسندیدہ زندگی قبول کرنے کی اذیت یا پسندیدہ زندگی ترک کرنے کی اذیت۔ یہ اذیت احساس کی لطافت کی نسبت سے بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہے۔ کوئی زندگی ایسی نہیں جو اپنی آرزو اور اپنے حاصل میں مکمل ہو، برابر ہو، کبھی آرزو بڑھ جاتی ہے، کبھی حاصل کم رہ جاتا ہے۔ صبر کا خیال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہ اسے ملا نہیں۔

انسان محنت کرتا ہے کوشش کرتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے ریاضت اور عبادت کرتا ہے کہ زندگی اطمینان اور آرام سے گذرے اور مابعد حیات بھی خطرات نہ رہیں، لیکن زندگی عجب ہے اس میں جب کوئی مقام حاصل ہوتا ہے، پسندیدہ مقام، تب بھی ہمیں احساس ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں کچھ نہ

کچھ رہ گیا ہے یا کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ غیر ضروری اور غیر مناسب شے شامل ہوگئی ہے، اس زندگی میں بس ایسی صورت میں انسان بے بس ہوتا ہے، صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

انسان شادی کرتا ہے۔ شادی کا معنی خوشی ہے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد انسان محسوس کرتا ہے کہ شادی کا عمل فرائض اور ذمہ داریوں کی داستان ہے۔ حقوق کا قصہ ہے، صرف خوشی کی بات نہیں۔ اس میں رنج اور رنجشیں بھی شامل ہیں۔ دو انسان، زوجین مل کر سفر کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے باعث مسرت ہونے کے وعدے اور دعوے لے کر ہم سفر بنتے ہیں اور کچھ ہی عرصہ بعد ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے عمل سے گزرتے ہیں۔ خوش رہنے کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ صبر کرنا پڑتا ہے۔ اب یہ فیصلہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اولاد ہونے کے بعد انسان کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک خوبصورت رسی سے جکڑا گیا ہے اس کی آزادی اور آزاد خیالی ختم ہوگئی ہے۔ اس پر عجیب و غریب فرائض عائد ہو گئے ہیں۔ وہ محبت کے نام پر مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے، لیکن اب صرف صبر ہے یہی تلقین ہے کہ ہو جانے والے واقعات پر افسوس نہ کرو۔ صبر کا مقام اس وقت آتا ہے جب انسان کو یہ یقین آ جائے کہ اس کی زندگی میں اس کے عمل اور اس کے ارادے کے ساتھ ساتھ کسی اور کا عمل، کسی اور کا ارادہ بھی شامل ہے۔ اپنے حال میں دوسرے کا حال شامل دیکھ کر انسان گھبراتا ہے اور جب اسے ایک اور حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ اس کے ارادوں اور اس کے عمل میں اس کے خالق و مالک کا امر شامل ہے اور کبھی کبھی یہ امر ایک مشکل مقام سے گزرنے کا امر ہے، تو انسان سوچتا ہے کہ اگر بات اپنی ذات تک ہو تو بدل بھی سکتی ہے لیکن اگر فیصلے امرِ مطلق کے تابع ہیں تو ٹل نہیں سکتے۔ یہاں سے انسان اپنی بے بسی کی پہچان شروع کرتا ہے۔ بے بسی کے آغاز سے صبر کا آغاز ہوتا ہے۔

خوشی میں غم کا دخل، صحت میں بیماری کا آ جانا، بنے ہوئے پروگرام کا معطل ہونا، کسی اور انسان کے کسی عمل سے ہماری پرسکون زندگی میں پریشانی کا امکان پیدا ہونا، سب صبر کے

مقامات ہیں۔تکلیف ہمارے اعمال سے آئے یا اس کے حکم سے مقام صبر ہے۔کیونکہ تکلیف ایک اذیت ناک کیفیت کا نام ہے۔تکلیف جسم کی ہو، بیماری کی شکل میں یا روح کی تکلیف، احساسِ مصیبت یا احساسِ تنہائی یا احساسِ محرومی کی شکل میں مقام صبر ہے۔انسان جس حالت سے نکلنا چاہے اور نکل نہ سکے وہاں صبر کرتا ہے جہاں انسان کا علم ساتھ نہ دے، اس کی عقل ساتھ نہ دے اور اس کا عمل اس کی مدد نہ کر سکے وہاں مجبوری کا احساس اسے صبر کے دامن کا آسرا تلاش کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

صبر کا تصور دراصل صرف مجبوری ہی کا احساس نہیں ہے صبر کے نام کے ساتھ ہی ایک اور ذات کا تصور واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں سب کچھ نہیں کر سکتے۔ہم اپنی زندگی کے مالک ہو کر بھی مکمل مالک نہیں۔ہم مختار ہو کر بھی مختار نہیں۔ہم قدرت رکھنے کے باوجود قادر نہیں۔ہم اور ہماری زندگی ہزار ہا اور زندگیوں کے دائرہ اثر میں ہیں۔ہم اور ہماری زندگی ایک اور ذات کے ارادے کے تابع ہیں اور وہ ذات مطلق ہے۔اس کا امر غالب ہے۔وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ہمارے ساتھ ہماری زندگی کے ساتھ۔ہمارے ظاہر کے ساتھ ہمارے باطن کے ساتھ ہماری تنہائی کے ساتھ، ہمارے گردوپیش کے ساتھ، ہمارے والدین کے ساتھ، ہماری اولاد کے ساتھ، ہمارے ہر ہر خیال کے ساتھ اور وہ ذات چاہے تو ہمارے مرتبے عذاب بنادے چاہے تو ہماری غریبی اور غریب الوطنی کو سرفرازیاں عطا کردے۔وہ ذات یتیموں کو پیغمبر بنادے اور چاہے تو مسکینوں کو مملکت عطا کردے۔اس ذات کا امر اور عمل اٹل ہے۔اس کے فیصلے آخری ہیں۔اس کے حکم کے تابع ہیں انسان کی خوشیاں، انسان کے غم انسان کی زندگی انسان کی موت، انسان کی محبت، انسان کے خوف انسان کے جذبات واحساسات۔وہی ذات ہے جو انسان کو بار بار حکم فرماتی ہے کہ صبر کرو یعنی اپنی زندگی میں میرے حکم سے پیدا ہونے والے حال کو سمجھنے سے پہلے تسلیم کرلو۔جو سمجھ میں نہ آسکے اس پر صبر کرو اور جو سمجھ میں آئے اس پر مزید غور کرو۔

صبر کی منزل ایک مشکل منزل ہے۔فقر میں ایک بلند مقام ہے صبر کا۔

وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔عجب بات ہے کہ وہ تکلیف دور نہیں کرتا اور برداشت کرنے والوں کے ساتھ رہتا ہے۔اور تکلیف بھیجنے والا بھی خود ہے، بس یہی انسانی عظمت کا راز ہے۔انسان کی تسلیم و رضا کا روشن باب انسان کی انسانیت کا ارفع مقام کہ وہ سمجھ لے کہ تکلیف دینے والا ہی راحت جاں ہے۔یہ زندگی اس کی دی ہوئی اسی کے حکم کی منتظر ہے۔وجود اس کا بنایا ہوا اسی کے امر کے تابع ہے۔وہ ستم کرے تو ستم ہی کرم ہے۔وہ تکلیف بھیجے تو یہی راحت ہے۔وہ ذات ہمارے جسم کو اذیت سے گزارے تو بھی یہ اس کا احسان ہے۔

صبر کرنے والے اس مقام سے آشنا کرا دیے جاتے ہیں کہ تکلیف دینے والا ہی صبر کی توفیق دے رہا ہے اور اس مقام پر صبر ہی شکر کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے مقرب اذیت سے تو گزرتے ہیں لیکن بیزاری سے کبھی نہیں گزرے وہ شکر کرتے ہوئے وادی اذیت سے گزر جاتے ہیں۔

دنیا دار جس مقام پر بیزار ہوتا ہے مومن اس مقام پر صبر کرتا ہے اور مومن جس مقام پر صبر کرتا ہے مقرب اس مقام پر شکر کرتا ہے کیونکہ یہی مقام وصالِ حق کا مقام ہے۔تمام واصلینِ حق صبر کی وادیوں سے بہ تسلیم و رضا گزر کر سجدہ شکر تک پہنچے۔یہی انسان کی رفعت ہے یہی شانِ عبودیت ہے کہ انسان کا وجود تیروں سے چھلنی ہو، دل یادوں سے زخمی ہو اور سر نیاز سجدہ میں ہو کہ اے خالق! مجھے صبر و استقامت کی منزلیں عطا کرنے والے! مجھے تسلیم و رضا کے معراج عطا کرنے والے! تیرا شکر ہے، لاکھ بار شکر ہے کہ تو نے مجھے چن لیا، اپنا بندہ بنایا، اپنا اور صرف اپنا۔ تیری طرف سے آنے والے ہر حال پر ہم راضی ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ ہم اور ہماری زندگی بے معرف اور بے مقصد نہ رہنے دینے والا تو ہے جس نے ہمیں تاجِ تسلیم و رضا پہنا کر اہل دنیا کے لئے ہمارے صبر کا ذکر ہی باعثِ تسکین روح و دل بنایا۔

بیکسی کی داستان بننے والے امام عالی مقام بیکسوں کے لئے چارہ ساز ہیں ۔ یہ داستان اہل علم کے لئے نہیں یہ اہل نظر کا مقام ہے اہل صبر کے لئے اہل شکر کے لئے ان کے لئے جو ہر حال پر راضی رہتے ہیں جن لوگوں پر اس کا کرم ہوتا ہے، ان کی آنکھیں تر رہتی ہیں ۔ ان کے دل گداز رہتے ہیں ۔ان کی پیشانیاں سجدوں کے لئے بے تاب رہتی ہیں ان کے ہاں تکلیف رہتی ہے، لیکن ان کی زبان پر کلمات شکر رہتے ہیں ۔ مقامات صبر کو مقامات شکر بنانا خوش نصیبوں کا کام ہے ایسی خوش نصیبی کہ زمین والے ان کی تکلیف پر اظہار غم کریں اور آسمان والے ان پر سلام بھیجیں ۔صبر والوں کی شان نرالی ہے ۔ان کا ایمان قوی ہے ۔ان کے درجات بلند ہیں۔ ان کے جسم پر پیوند کے لباس ہیں اور ان کے در پر جبریل علیہ السلام جیسے غلام ہیں ۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے ۔

دعائے مغفرت

ملتان سے بھائی حاجی رفیق اور ذوالقرنین کھیڑا کے کزن ذوالفقار کھیڑا

چوک اعظم سے بھائی محمد اشرف کی والدہ

ظفروال کے بزرگ بھائی رانا صفدر

لاہور سے بھائی شاہد آفتاب صاحب کی خوشدامن

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں

(اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں ۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
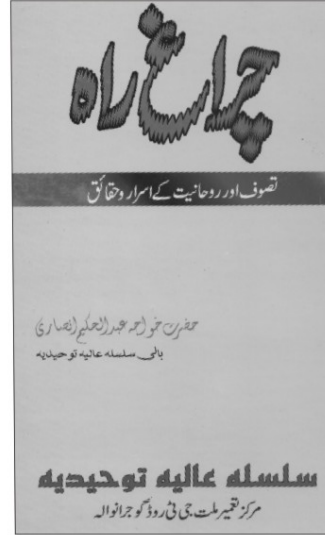
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
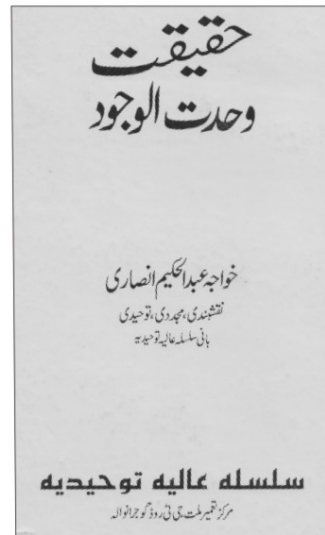
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
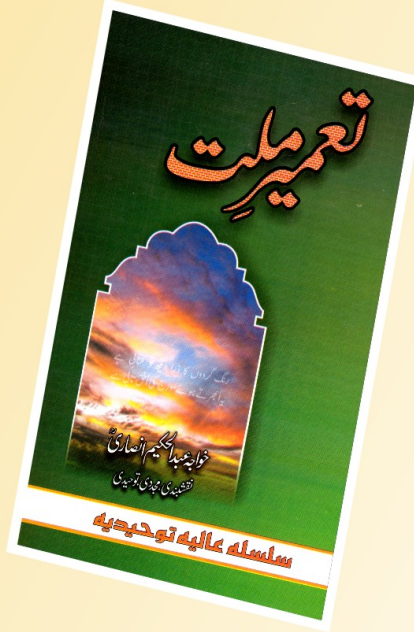
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔
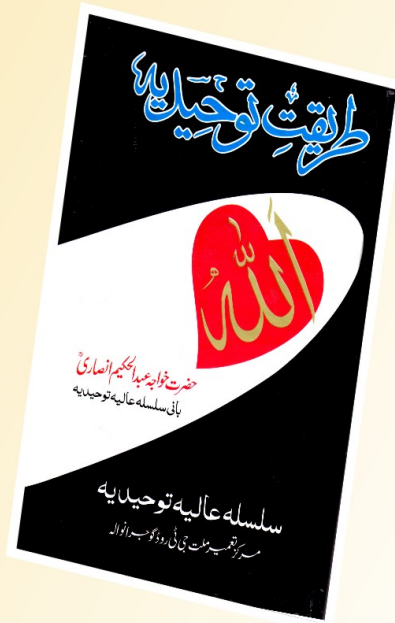
Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com